حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

اور

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم اے، پی ایچ ڈی

اسلامی کتب خانہ

اقبال روڈ سیالکوٹ

حضرت مجددؒ الفِ ثانی

اور

ڈاکٹر محمدؐ اقبال

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اِسلامی کُتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ
پاکستان

Marfat.com

کتاب ———— حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال
مؤلف ———— پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
کاتب ———— عنایت بیگ جمیل مرزا،
ناشر ———— مولانا محمد اشرف مجددی
مطبع ————
اشاعت ———— دوم
طباعت ————
تعداد ———— ایک ہزار (۱۰۰۰)
قیمت ———— روپے

ملنے کے پتے:

اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ
مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ

Marfat.com

سیرتِ اقبال

Marfat.com

اِنتساب

مفتیِ اعظم ہند حضرت شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہٗ العزیز
کے نامِ نامی، جن کے فیضِ صحبت نے آدابِ زندگی سکھاتے
اور سکون و طمانیت کی دولت سے مالا مال کیا۔

قدسیوں کو رشک اس جمعیتِ خاطر پہ ہے
کچھ نہیں کھلتا کہ میں کس کے پریشانوں میں ہوں!

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

Marfat.com

مشمولات

(ل) حرفِ آغاز — ۶ تا ۸

(ب) سیرتِ مجدد — ۱۱ تا ۱۳

(ج) سیرتِ اقبال — ۱۷ تا ۲۴

حضرت مجدد الفِ ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال

۱۔ صوفیہ سے اقبال کی عقیدت — ۲۷ تا ۳۰

شیخ نور محمد ـــــ سلسلۂ قادریہ میں بیعت ـــــ قاضی سلطان احمد ـــــ نظام الدین اولیاء کے دربار میں حاضری ـــــ انگلستان میں مطالعہ صوفیہ ـــــ جلال الدین رومی اور مجدد الفِ ثانی ـــــ کلامِ اقبال میں صوفیہ کے افکار

۲۔ حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت — ۳۱ تا ۴۶

مکتوبِ اقبال بنام سید سلیمان ندوی ـــــ سلسلۂ نقشبندیہ سے انسیت ـــــ فقرِ حجازی ـــــ حرکت و رجائیت ـــــ حضرت مجدد سے بیدل کی عقیدت ـــــ آستانۂ مجدد پر اقبال کی حاضری ـــــ انگلستان میں حضرت مجدد پر لیکچر ـــــ حضرت مجدد کے حضور اقبال کا خراجِ عقیدت ـــــ شرحِ کلامِ اقبال ـــــ اقبال کا ساقی ـــــ

۳۔ تصورِ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور اقبال — ۴۷ تا ۶۲

وحدۃ الوجود سے وحدۃ الشہود تک ـــــ عجمی تصوف کے خلاف اقبال کی بغاوت ـــــ جلال الدین رومی سے اختلاف ـــــ گسستن و پیوستن ـــــ سرالوصال و سرالفراق ـــــ تجدیدِ اسلام ـــــ رہبانیت سے اسلام کا تحفظ ـــــ تصورِ وحدۃ الوجود کے خلاف احتجاج

Marfat.com

——— وجودیت و عبدیت ——— توحید شہودی و توحید وجودی

——— علم الیقین و عین الیقین ——— اتحاد و حلول ——— وحی اور

اس کی اہمیت ——— وجودیت ظلیت، عبدیت ——— تصورِ خودی

اور نظریۂ عبدیت ———

۴۔ تصور وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور مغربی مفکرین ۶۳ تا ۷۶

وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، فوق البشر ——— نٹشے اور حضرت مجدد ———

سی۔ جی۔ یونگ اقبال کی نظر میں ——— نفسیاتِ جدیدہ اور حضرتِ مجدد۔

——— مکتوبِ مجدد بنام شیخ ادریس سامانی ——— لندن میں اقبال کا

لیکچر ——— آئین اسٹائن، ہیوم اور حضرت مجدد ——— اقبال اور مقامِ

عبدیت ———

۵۔ شریعت اور طریقت ۷۷ تا ۸۶

اطاعت، ضبطِ نفس، نیابتِ الٰہی ——— شریعت و طریقت حضرت مجدد کی

نظر میں ——— شریعت و طریقت اقبال کی نظر میں ——— موسیقی، اقبال

اور حضرت مجدد ——— اقبال اور مردِ بزرگ ———

۶۔ حضرت مجدد اور اقبال کے فکری مماثلات ۸۷، ۸۸

۷۔ مآخذ و مراجع ۸۹ تا ۹۲

Marfat.com

حرفِ آغاز

راقم الحروف، حضرت والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ (۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہے اسی لیے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے قلبی تعلق ہے۔ اس تعلق کی کرامت سمجھئے کہ آج سے قریباً ۲۰ سال قبل حضرت مجدد الف ثانی کے حالات و افکار پر ایک طویل مقالہ قلمبند کیا، جو ہندوستان کے مشہور جریدے "معارف" (اعظم گڑھ) میں جون ۱۹۶۱ء سے فروری ۱۹۶۲ء تک مسلسل و قسطوں میں شائع ہوا۔ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ نے بھی ستمبر ۱۹۶۱ء سے اپریل ۱۹۶۲ء تک متواتر آٹھ قسطوں میں یہ مقالہ نقل کیا۔ اہل علم نے پذیرائی کی۔ اور اندرون ملک و بیرون ملک محققین نے اس سے استفادہ کیا۔

کچھ عرصہ بعد محترم ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم (چیف ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف حکومت مغربی پاکستان لاہور) نے مکرمی جناب پیر حسام الدین راشدی کی وساطت سے مطبوعہ مقالہ طلب فرما کر مطالعہ کیا۔ پھر سرکٹ ہاؤس کراچی میں ایک اجلاس میں شرکت کے لئے یاد فرمایا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ محکمہ اوقاف کی طرف سے مقالہ کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے، مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اور وہ انتقال فرما گئے۔ پھر حکیم محمد تقی صاحب (مالک مشہور آفسٹ پریس و مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) نے اصرار فرمایا کہ مقالہ کتابی صورت میں اشاعت کے لئے مرتب کیا جائے۔ ان کے اصرار پر مقالہ کو از سر نو مرتب کیا گیا اور بہت سے اضافے کئے گئے۔ چنانچہ یہ مقالہ اصل مطبوعہ مقالہ سے پانچ گنا بڑھ گیا اور صفحات ۴۰۰ سے متجاوز ہو گئے۔ استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں (سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد) نے مقالہ کا تاریخی نام سیرت مجدد الف ثانی (۱۳۹۲ھ) تجویز کیا۔ فاضل شہیر مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی (م ۱۳۹۵ھ/ ء) نے اس کو بالاستیعاب مطالعہ فرمایا، ضروری مشوروں سے نوازا، اور بہت

Marfat.com

ہی قدر افزائی فرمائی ۔ ڈاکٹر محمود حسین مرحوم (وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کراچی) اور پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے بھی نظر ثانی فرما کر اپنے اپنے تاثرات عنایت فرمائے ۔ بہر حال تکمیل و نظر ثانی کے بعد یہ مقالہ حکیم محمد تقی صاحب کو دے دیا گیا، مگر ان پر فالج کا ایسا حملہ ہوا کہ ہنوز صاحب فراش ہیں ۔ مولا تعالیٰ ان کو جلد صحت کاملہ عطا فرمائے ۔ آمین ۔ ان کے جانشین عزیزم فرید الدین صاحب نے مقالہ کی کتابت و طباعت کی ذمہ داری بصد ذوق و شوق قبول کی ۔ مقالہ کتابت کرا لیا گیا، مگر بارہ پانچ سال ہو گئے طباعت کی نوبت نہ آئی ۔ سچ ہے ہر کام کا وقت متعین ہے ۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر تحقیق کے دوران دو باتیں شدت سے محسوس کیں ۔ ایک بات تو یہ محسوس کی کہ حضرت مجدد کے افکار سے نہ صرف مشرق بلکہ مغرب کی فضائیں بھی گونج رہی ہیں ۔ چنانچہ ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "حضرت مجدد و مغرب میں" پیش کیا جو ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے مجلے فکر و نظر (ستمبر ۱۹۶۲ء) میں آج سے پندرہ سال قبل شائع ہوا ، اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا

دوسری بات یہ محسوس کی کہ ڈاکٹر محمد اقبال ، حضرت مجدد سے بے حد متاثر ہیں ۔ ایک عرصہ ہوا ، راقم کے کرم فرما سید علی اکبر شاہ مرحوم (ایم ۔ ایل ۔ اے) نے سب سے پہلے اس طرف متوجہ کیا تھا ۔ مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ حضرت مجدد سے اقبال اس حد تک متاثر ہیں ۔ جب مطالعہ کیا تو یہ راز کھلا کہ حضرت مجدد کے افکار ، فکر اقبال کے بنیادی عناصر میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ۔ چنانچہ سولہ سال قبل راقم نے فکر اقبال کے اس پہلو پر ایک طویل مقالہ قلم بند کیا جو ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم (ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی ، کراچی) کی عنایت سے اکیڈمی کے سہ ماہی مجلے اقبال ریویو میں شائع ہوا ۔ مقالہ مسلسل و مربوط تھا ۔ لیکن خواجہ عبد الحمید کمالی (ڈپٹی ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی) نے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تین حصوں میں تقسیم کرکے شائع کیا ۔

۱۔ علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی ۔ اقبال ریویو (کراچی) جنوری ۱۹۶۴ء

۲۔ اقبال کے فلسفۂ خودی میں مقام عبدیت ۔ اقبال ریویو (کراچی) جولائی ۱۹۶۴ء

۳۔ شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں ۔ اقبال ریویو (کراچی) جنوری ۱۹۶۵ء

عرصہ ہوا ، خواجہ عبد الحمید کمالی نے اقبال ریویو کے مطبوعہ تحقیقی مقالات کا ایک انتخاب مرتب کیا ، اس میں یہ تینوں مضامین شامل کئے گئے ۔ موصوف نے راقم کو بھی کتابی صورت میں مقالات

Marfat.com

کی اشاعت کی اجازت دے دی تھی۔ دو سال ہوئے، مولانا محمد اشرف مجددی (مالک مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ) نے مقالہ کی اشاعت کا ارادہ ظاہر کیا مگر راقم دوسرے علمی کاموں میں مصروف رہا، اور مقالہ کتابی صورت میں مرتب نہ کر سکا۔ اب ان کے برادر خورد مولانا محمد اکرم مجددی (مالک اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ) نے پھر اس طرف متوجہ کیا چنانچہ یہ مقالہ معمولی ترمیم و اضافے کے بعد کتابی صورت میں مرتب کر دیا گیا۔ خدا کی شان جس شہر میں اقبال پیدا ہوئے یہ مقالہ بھی اس شہر سے نئی نسل کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اقبال کی روحانی کشش کی ایک کرامت ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد اشرف مجددی اور مولانا محمد اکرم مجددی دام عنایتہما کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ وہ ذوق و شوق سے طبع کرا کے شائع کر رہے ہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۷)

۲۲، ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

۱۱، فروری ۱۹۸۰ء

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

پرنسپل

گورنمنٹ سائنس کالج سکرنڈ

ضلع نواب شاہ (سندھ)

پاکستان

Marfat.com

سیرتِ مجدّد

Marfat.com

سیرتِ مجدد

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ۹۷۱ھ/۱۵۶۴-۳ء میں سرہند (مشرقی پنجاب، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب ۲۹ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ علوم معقولہ و منقولہ اپنے والد ماجد شیخ عبد الاحد کے علاوہ مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا محمد یعقوب کشمیری، قاضی بہلول بدخشی وغیرہ علماء عصر سے حاصل کئے اور سترہ برس کی عمر میں فارغ ہو گئے۔ تقریباً ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء میں دارالسلطنت اکبر آباد (آگرہ) تشریف لائے، یہاں دربار اکبری کی دو مشہور شخصیتوں شیخ ابوالفضل اور ان کے بھائی شیخ ابوالفیض فیضی سے ملاقاتیں رہیں۔ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء) میں ایک جگہ آپ نے اس کی مدد بھی کی۔ جب ان دونوں بھائیوں نے بے راہ روی اختیار کی تو حضرت مجدد کنارہ کش ہو گئے۔

حضرت مجدد کو مختلف سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل تھی، سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد سے سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ محمد باقی باللہ سے، اور سلسلہ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلی سے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ آپ کے روحانی کمالات کے معترف تھے اور اس طرح توقیر و تعظیم کرتے تھے جیسے کوئی اپنے شیخ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔

حضرت مجدد نے اپنی اصلاحی کوششوں کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد سے کیا۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں یہ کوششیں بارآور ہوئیں۔ آپ نے دربار اکبری اور دربار جہانگیری کے زعماء و امراء سے قریبی روابط قائم کئے نہ صرف یہ بلکہ جہانگیر کے دربار میں جا کر اور جہانگیر کے ساتھ سفر و حضر میں رہ کر بڑے تحمل و تدبر کے ساتھ اسلام کا پیغام پہنچایا، اور تجدید و اصلاح کا حق ادا کیا۔ بے شک آپ مجدد برحق تھے۔ آپ نے اسلامی حکومت کے قیام، سیاسیات میں غیر مسلموں سے عدم تعاون اور اسلامی ہند کی تعمیر کے لئے انتھک کوشش کی اور شریعت، طریقت، سیاست، حکومت اور معاشرت و معیشت کے شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

عوام و خواص شریعت سے بیگانہ ہوتے جا رہے تھے۔ آپ نے اپنے علمی مقالات،

Marfat.com

مکالمات اور مکتوبات کے ذریعہ آشنائے شریعت کیا ــــــــ صوفیائے خام، طریقت کے حقیقی معنی سے ناواقفیت کی وجہ سے گمراہ ہو رہے تھے۔ آپ نے ان کو طریقت کا واقفکار و رازشناس بنایا ــــــــ تصورِ وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات و تشریحات نے ایک عالم کو بے راہ کر دیا تھا، آپ نے اس نظریہ کی معقول توجیہہ و تشریح فرمائی۔ صوفیائے سلف کا مؤثر دفاع کیا اور تصورِ وحدۃ الشہود پیش کر کے اہلِ طریقت کی صحیح سمت پر رہنمائی فرمائی یہی نظریہ تھا جس نے اقبالؔ کو اپنی طرف کھینچا، اسی نظریہ کو اقبالؔ نے اپنا مسلکِ فکر و سخن بنایا۔ اگر مجدد نہ ہوتے تو اقبالؔ، اقبالؔ نہ ہوتے، حضرت مجدد اقبالؔ کی آرزو تھے، حضرت مجدد اقبالؔ کی تمنا تھے۔

> تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
> تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی (اقبالؔ)

سیاست و حکومت میں حضرت مجدد نے جو کارنامہ انجام دیا، وہ اکبر کے ایک قومی نظریہ کے خلاف دو قومی نظریہ کا اعلان تھا۔ حضرت مجدد نے اسلام کے اس ازلی نظریہ کو حیات نو بخشی اور یہ واضح کر دیا کہ کفر و اسلام دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ دونوں کا مزاج الگ الگ ہے، اس لئے یہ دونوں سیاست و حکومت میں ایک دوسرے کے شریکِ کار نہیں ہو سکتے۔ متاخرین میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی اسی نظریہ کے داعی تھے۔ اول الذکر نے جس شد و مد کے ساتھ پاک و ہند میں اس نظریہ کا احیا کیا۔ حضرت مجدد کے بعد اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اقبالؔ نے بھی اس نظریہ کا پرچار کیا، اور قائداعظم محمد علی جناح بھی آخرکار اس نظریہ کی طرف آئے اور ایک تاریخ ساز جد و جہد کے بعد پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

حضرت مجدد کی کوششیں عہدِ جہانگیری میں بارآور ہوئیں جبکہ جہانگیر نے امورِ مذہبیہ و حکومت میں مشورے کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس طرح حکومت میں غیر مسلموں کا اثر و رسوخ کم ہوا، چنانچہ اس کے بعد اسلام کو مسلسل فروغ ہوتا رہا حتیٰ کہ دورِ عالمگیری میں حضرت مجدد اور ان کے صاحبزادگان کی مساعی نقطۂ عروج پر پہنچ گئیں۔ اورنگ زیب عالمگیر حضرت مجدد کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کا مرید اور ان کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین کا

Marfat.com

فیض یافتہ تھا۔ بلاشبہ خاندان مجددیہ نے سلطنت مغلیہ اور فکر مسلم پر گہرے اثرات چھوڑے اور ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ اقبال نے سچ کہا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

تجدیدی اور اصلاحی کارنامے انجام دینے کے بعد حضرت مجدد جہانگیر بادشاہ سے رخصت ہو کر سرہند تشریف لائے اور خلوت گزیں ہو گئے۔ چند ماہ بعد ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کو آپ وصال فرما گئے۔ آپ کے صاحبزادگان میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم ایسے بزرگ تھے، شہزادگان وقت جن کے دربار میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اور شاہان وقت جن کی سرپرستی پر فخر کرتے تھے ——— تصانیف میں مکتوبات شریف کی تین جلدات علم و حکمت کا خزانہ ہیں۔ اور حضرت مجدد کی زندہ کرامت ——— خلفاء نہ صرف پاک و ہند بلکہ بلادِ اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ اللہ اکبر! سرہند سے اُٹھنے والی وہ روشنی جس کا مشاہدہ خواجہ باقی باللہ نے کیا تھا، کہاں کہاں پہونچی اور کس کس کو منور کر گئی ———

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

Marfat.com

سیرتِ اقبال

(۱)

ڈاکٹر محمد اقبال، کشمیری برہمنوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے جد اعلیٰ تقریباً ڈھائی سو برس پہلے مشرف با سلام ہو کر سیالکوٹ میں آباد ہو گئے۔ اقبال نے اس شعر میں اپنا خاندانی پس منظر بیان کیا ہے ؎

میں اصل کا خاص سومناتی
آبا مرے لاتی و مناتی

جدید تحقیق کے مطابق اقبال ۹، نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صاحب علم و عمل تھے۔ تصوف کا خاص ذوق رکھتے تھے اور سلسلہ قادریہ میں قاضی سلطان احمد (آوان شریف ضلع گجرات، پاکستان) سے بیعت تھے اور غالباً اقبال کو بھی انہیں سے بیعت کروایا تھا اور تربیت خود فرمائی۔ گھر کے اس صوفیانہ ماحول کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیٹے جاوید سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ

اقبال نے کتابوں سے زیادہ نگاہوں سے سیکھا، خود کہتے ہیں ؎

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہ محبت، وہ نگہ کا تازیانہ!

اس عارفانہ ماحول میں اقبال کی پرورش ہوئی، تلاوت کلام صبح کا معمول تھا، والد کی ہدایت تھی کہ قرآن اس سوز و گداز سے پڑھو، یوں محسوس ہو کہ یہ تم پر نازل ہو رہا ہے۔ اس شعر میں اسی نصیحت کی طرف اشارہ ہے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحبِ کشاف

Marfat.com

اقبال کی والدہ بھی عابدہ و زاہدہ تھیں ، ان کے فیضِ تربیت نے اقبال کو اور جلا بخشی ، ان کے انتقال پر اقبال نے جو مرثیہ لکھا ہے ۔ اس میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہُوا
گھر میرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہُوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

اقبال نے ابتدائی تعلیم قدیم طرز کے مکتب میں حاصل کی پھر سیالکوٹ کے مشن اسکول میں داخل ہو گئے ، جہاں مولوی میر حسن جیسا فاضل استاد ملا ۔ ان کے فیضِ تربیت نے اقبال میں عربی فارسی زبان دانی کا شوق پیدا کیا اور ادبیت کا ذوق اور نکھر کر سامنے آیا ۔ اقبال نے اپنی نظم " التجائے مسافر " میں اپنے استاد کا اس طرح ذکر کیا ہے ؎

وہ شمع بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

اقبال مشن اسکول سے فارغ ہو کر لاہور چلے آئے اور گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا ۔ یہاں ان کو پروفیسر آرنلڈ جیسا استاد ملا ، جن کی تعلیم و تربیت نے اقبال کے مخفی جواہر کو اور چمکایا ، وہ بی ۔ اے اور ایم ۔ اے میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے اور تمغات حاصل کئے ۔ اقبال کو آرنلڈ سے کتنی محبت تھی ؟ اس کا اندازہ ان کی نظم " نالۂ فراق " سے لگایا جا سکتا ہے ۔ جو استاد کے انگلستان جانے کے بعد ان کی جدائی سے متاثر ہو کر کہی ۔ اس میں ایک جگہ کہتے ہیں ؎

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذروۂ سینائے علم
تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم

Marfat.com

اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اقبال اورینٹل کالج، لاہور میں بحیثیت استاد فلسفہ و تاریخ ملازم ہو گئے، مگر بالآخر جستجوئے علم ان کو انگلستان لے گئی۔ وہ ۱۹۰۵ء میں انگلستان پہنچے، یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے اور فلسفہ اخلاق پر ڈگری حاصل کی۔ اس کے علاوہ بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ انگلستان میں پروفیسر میک ٹگارٹ، پروفیسر براؤن اور پروفیسر نکلسن جیسے فاضلوں سے اقبال کی صحبتیں رہیں۔ میک ٹگارٹ نے اقبال کے فلسفیانہ خیالات میں پختگی پیدا کی اور براؤن و نکلسن کی صحبت میں فارسی ادبیات کا ذوق اور نکھرا۔

کیمبرج سے فارغ ہونے کے بعد اقبال نے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے ایران کی مابعد الطبیعیات پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے انگلستان اور جرمنی کے کتب خانوں کا مطالعہ کیا۔ ان کتب خانوں میں اسلامی علمی ذخائر دیکھ کر ان پر حیرت و اضطراب کا عالم طاری ہو گیا۔ اس شعر میں اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کیا ہے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

جرمنی سے انگلستان واپسی پر اقبال لندن یونیورسٹی میں اپنے استاد پروفیسر آرنلڈ کی جگہ سات ماہ عربی کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۰۸ء میں وہ وطن عزیز واپس لوٹے اور یہاں آکر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہو گئے اور بیرسٹری کی پریکٹس بھی کرتے رہے۔ لیکن بالآخر ملازمت چھوڑ کر پریکٹس پر قناعت کی۔ ان کی خوددار طبیعت نے کسی کا زیر بار رہنا پسند نہ کیا۔

۱۹۱۵ء میں اقبال نے اسرار خودی لکھی جس میں حافظ شیرازی پر سخت تنقید کی گئی تھی چنانچہ پاک و ہند میں فکر اقبال کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ مگر انگلستان میں یہ مثنوی بہت مقبول ہوئی۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا۔ ای ایم فارسٹر اور پروفیسر ڈکسن نے اپنے اپنے رسائل میں اس کو خوب سراہا۔ ۱۹۲۲ء حکومت برطانیہ نے اقبال

Marfat.com

کو سر کا خطاب دیا جو محبانِ وطن پر گراں گزرا۔ کیونکہ کچھ عرصہ قبل ۱۹۱۹ء میں انگریزوں کے خلاف تحریکِ خلافت اور ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات چل چکی تھی۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید یہ خطاب دے کر اقبال کی زبان بند کر دی گئی ہے۔ اقبال نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اعلان کیا:

"قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا۔ اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی طاقت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے۔"

۱۹۲۶ء میں اقبال، لاہور کے حلقہ انتخاب سے قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۲۸ء میں انہوں نے جنوبی ہند کا دورہ کیا اور مدراس میں انگریزی میں چھ مشہور لیکچر دیئے جو ۱۹۳۰ء میں لندن سے شائع ہوئے۔ جنوری ۱۹۲۹ء میں حیدر آباد دکن گئے جہاں ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد (ہندوستان) کے صدر منتخب ہوئے اور اپنے خطبۂ صدارت میں سب سے پہلے سیاسی پلیٹ فارم سے "نظریہ پاکستان" پیش کیا۔ لیکن اس سے بہت پہلے ۱۹۲۵ء میں نظری طور پر تقسیم ہند کی مفصل تجویز ایک صاحب نے پیش کی تھی جو علی گڑھ سے سن مذکور میں شائع ہو چکی تھی۔ ۱۹۳۱ء میں اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان گئے۔ یہ سفر علمی و تاریخی حیثیت سے یادگار رہا۔ واپسی پر فرانس میں مشہور فلسفی برگساں سے اقبال کی ملاقات ہوئی؛ واقعیت زماں سے متعلق حدیث سنا کر اقبال نے اس کو محوِ حیرت کر دیا۔ اٹلی میں مسولینی سے ملاقات ہوئی، اس کو بھی عمرانیاتی اہمیت کی ایک حدیث سنا کر حیران کیا۔ جب اس نے اطالوی جوانوں کے لئے ہدایت و نصیحت کی درخواست کی تو اقبال نے کہا:

"اٹلی کے جوانوں کو مغرب کی زوال آمادہ تہذیب چھوڑ کر مشرق کی حیات بخش تہذیب کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔"

اس سفر میں اقبال ہسپانیہ بھی گئے۔ وہاں کے اسلامی آثار سے بہت متاثر ہوئے،

Marfat.com

بیت المقدس بھی گئے جہاں موتمر اسلامیہ میں شرکت کی۔ ۱۹۳۲ء میں وطن عزیز واپس آئے۔
۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ، شاہ افغانستان کی دعوت پر افغانستان گئے جہاں مشہور شاعر عبداللہ خان نے اقبال کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا جس میں اقبال کے عالمگیر پیغام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

چو اندر سخن جادۂ نو گزید
پیامش ز مشرق بہ مغرب رسید

کابل سے واپسی پر اقبال، غزنی اور قندھار بھی گئے جہاں مزارات اور تبرکات کی زیارت کی۔ نومبر ۱۹۳۳ء کو واپس لوٹے۔ واپسی سے تین ماہ بعد علالت کا سلسلہ شروع ہوا جس کے بعد وہ دوبارہ نہ سنبھل سکے۔ مارچ ۱۹۳۸ء میں طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ علالت کے دوران یہ شعر پڑھ کر سناتے ہے

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

اپریل میں زیادہ حالت خراب ہو گئی۔ ایک روز عالم یاس میں یہ رباعی پڑھی:

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید!
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید!

بالآخر ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ کو یہ دانائے راز جدا ہو گیا۔ اور ایک عالم کو سوگوار چھوڑ گیا۔

(۲)

مندرجہ بالا سطور میں اقبال کی تعلیم و تربیت، ملازمت و سیاست اور سفر و حضر وغیرہ کے بارے میں تفصیلات بیان کی گئیں۔ اب چند باتیں ان کی شاعری کے بارے میں بیان کی

Marfat.com

جاتی ہیں :-

سیالکوٹ کے زمانہ قیام سے ہی اقبال کی شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ جب لاہور آنے تو ذوقِ شاعری اور نکھرا۔ ایک مشاعرے میں یہ نکھرا ہوا شعر پیش کر کے سخن شناسوں کو حیران کر دیا ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے :

قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اقبال نے مرزا داغ دہلوی سے غائبانہ شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ شاگرد و استاد ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ داغ کی یاد میں اقبال نے جو مرثیہ لکھا ہے اس سے ان کی تلمیذانہ محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

آج لیکن ہم نوا ! سارا چمن ماتم میں ہے
شمع روشن بجھ گئی بزمِ سخن ماتم میں ہے

اقبال کا پہلا دورِ شاعری ۱۹۰۵ء میں ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں انہوں نے انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے کئے۔ اس دور کی متعدد نظموں میں ان کے فلسفۂ خودی کی جھلک نظر آتی ہے نظم انسان اور بزمِ قدرت قابلِ ذکر ہیں۔ اور نظم عشق اور موت کا یہ مصرعہ قابلِ توجہ ہے ؎

خودی تشنہ کام مئے بے خودی تھی

اس دور میں اقبال نے عشق کو عقل پر ترجیح دی اور انسان کی عظمت کو اس انداز سے بیان کیا ؎

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

۱۹۰۵ء میں اقبال یورپ گئے۔ سنہ مذکور سے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے جو ۱۹۰۸ء پر ختم ہوتا ہے جبکہ اقبال وطن واپس لوٹے ــــــ یہ دور مطالعہ و مشاہدہ میں گزرا۔ اور بہت کم کہا۔ ۱۹۰۸ء سے تیسرا دور شروع ہوتا ہے جو ۱۹۲۴ء پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں زیادہ تر فارسی میں کہا۔ موضوعِ شاعری فلسفۂ خودی و بےخودی ــــــ وطن کی محبت سے آزاد، محبتِ رسولؐ میں گرفتار ــــــ اس دور میں پاک و ہند کے باہر اور اندر بہت سے تاریخی واقعات

...نما ہوئے۔ فطری طور پر اقبال ان سے متاثر ہوئے اور اپنے افکار و تاثرات کو نظم کر جاوداں بنایا ——— ۱۹۱۵ء میں انہوں نے مثنوی اسرارِ خودی پیش کی۔ ۱۹۱۸ء میں مثنوی رموزِ بیخودی ۱۹۲۳ء میں پیامِ مشرق، ۱۹۲۴ء میں بانگِ درا شائع ہوئی، پھر زبورِ عجم۔

۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۸ء کا درمیانی دور اقبال کے فکر و بیان کا حاصل ہے۔ یہ چوتھا اور آخری دور ہے۔ اس میں وہ زیادہ پختہ کار اور جہاں دیدہ نظر آتے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں جاوید نامہ شائع ہوا اور ۱۹۳۵ء میں بالِ جبریل شائع ہوئی اور ۱۹۳۶ء میں ضربِ کلیم، یہ دونوں مجموعے فکر و بیان کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں، اقبال کے افکار ایک نیا شباب لے کر سامنے آتے ہیں۔ فکر و خیال پر تصورِ خودی چھایا ہوا ہے۔ ۔ اقبال کے تمام افکار نقطۂ خودی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں ———

معرفتِ نفس اور عرفانِ ذات کے بعد دوسرے مرحلے شروع ہوتے ہیں۔ جب ذات ہی عدم و وجود کی بحثوں میں الجھ کر رہ جائے تو پھر کیا باقی رہ گیا جس کو سلجھایا جائے؟ ایک نظریہ نے ذات کو عدم آشنا کیا ——— دوسرے نظریہ نے وجود آشنا ——— پوچھنا یہ ہے کہ ذات ہے یا نہیں ہے! ——— غالبؔ کہتا ہے ؎

ہرچند کہیں کہ "ہے"، "نہیں ہے"

اقبال کہتا ہے ؎

اک "تو" ہے "کہ حق ہے اس جہاں میں:

یہی وہ فلسفہ ہے جو انہ خود رفتگی سے ہوش میں لایا اور من کی دنیا کو دیکھ کرتا۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

پروانے کو دیکھئے۔ جمالِ شمع میں ایسا کھو گیا کہ اپنا بھی ہوش نہ رہا۔ جل بجھا۔ آواز تک نہ آئی ؎

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

اور چکور کو دیکھئے جشنِ ماہتاب پہ ہزار جان سے فدا، مگر جان سلامت ———

Marfat.com

معشوق بھی موجود، عاشق بھی موجود، عشق بھی موجود ـــــ ایک وجودی ہے، دوسرا شہودی ـــــ ایک نے زندگی کھونے میں پائی، دوسرے نے زندگی پانے میں پائی ـــــ

بہرحال ذکر تھا اقبال کی شعری تصانیف کا۔ تو ضربِ کلیم ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی اور اقبال کے انتقال کے بعد (۱۹۳۸ء) آخری مجموعۂ کلام ارمغانِ حجاز شائع ہوا جس کا یہ آخری شعر پیامِ اقبال کا جوہر ہے ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

Marfat.com

حضرت مجدد الفِ ثانی

اور

ڈاکٹر محمد اقبال

Marfat.com

(۱)

صوفیہ سے اقبال کی عقیدت

بندۂ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ بر فرق سرِ شاہاں روی

اقبال کے والد ماجد شیخ نور محمد کی صحبتِ کیمیا اثر نے "مس خام کو کندن بنایا"، "آداب فرزندی" سکھائے، خود شناس و خدا شناس اور خود آگاہ و خدا آگاہ بنایا۔ اکبر الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے:

حضرتِ اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی، یہ خوش گوئی، یہ شوقِ معرفت
یہ طریقِ دوستی، خود داری و تمکنت
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے[1]
با خدا تھے اہلِ دل تھے، صاحبِ اسرار تھے

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی نے لکھا ہے کہ اقبال سلسلہ قادریہ میں اپنے والد سے بیعت تھے۔[2] مگر اقبال کے ایک معاصر مولانا روح اللہ قادری (م / ۱۹۶۹ء) کا بیان ہے کہ اقبال کے والد شیخ نور محمد، آوان شریف ضلع گجرات، پاکستان کے ایک بزرگ قاضی سلطان احمد (م۔ ۱۹۱۹ء) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ اور اقبال کو بھی انہیں سے بیعت کرا دیا تھا۔[3] اقبال کے شاگرد پروفیسر سید عبدالقادر (م۔ ۱۹۵۶ء) کی روایت کے

---

[1] عبدالرزاق۔ "کلیاتِ اقبال" بحوالہ "اقبالیات کا تنقیدی جائزہ" از قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء۔ ص ۱۱۰

[2] طاہر فاروقی، سیرتِ اقبال، مطبوعہ لاہور، ۱۹۳۹ء، ص ۳۵۴

[3] نور محمد قادری، سلسلہ قادریہ میں علامہ کی بیعت، مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) شمارہ اپریل ۱۹۷۵ء ص ۴۴۔۴۵ (اضافہ ۱۹۸۰ء)

Marfat.com

مطابق یہ بات خود اقبال نے اُن سے فرمائی :

"قاضی صاحب کے ارشاد کے مطابق پہلے سلطان جی (درگاہ شریف سلطان نظام الدین اولیاء دہلی) کے پاس حاضر ہوا۔ اور وہاں رؤیا میں حضرت قاضی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا فیض حضرت مجدد کے پاس ہے"[۱]

چنانچہ اقبال کے مکاتیب سے معلوم ہوگا کہ وہ سرہند جا کر حضرت مجدد سے مستفیض ہوئے۔ بے شک سہ

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

جب آغاز حیات اس شان کا ہو تو انجام حیات کس شان کا ہوگا۔ فی الحقیقت اقبال کے ذوقِ معرفت نے ان کو معراج کمال پر پہنچایا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سیالکوٹ کی سرزمین میں پیدا ہونے والا مرد قلندر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ عالم میں آفتاب و ماہتاب بنکر چمکا سہ

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
اسی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

۱۹۰۵ء میں انگلستان روانہ ہونے سے پہلے اقبال خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار مبارک پر حاضری کے لئے دہلی گئے۔ "التجائے مسافر" کے عنوان سے بانگِ درا میں جن قلبی تاثرات کا اظہار کیا ہے، ان سے اقبال کی عقیدت و محبت کا علم ہوتا ہے۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال انگلستان میں رہے۔ جرمنی بھی تشریف لے گئے، اور میونخ یونیورسٹی سے "ایران میں مابعد الطبیعات" (Metaphysics in Persia) پر مقالہ پیش کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس مقالے کے سلسلے میں علامہ نے مختلف صوفیائے کرام کا مطالعہ کیا۔ مثلاً بایزید بسطامی، ذوالنون مصری، فریدالدین عطار، محی الدین ابن العربی، امام غزالی، معروف کرخی، شقیق بلخی، جلال الدین رومی، وغیرہ وغیرہ بعض صوفیہ کی تصانیف کے قلمی نسخوں کا بھی مطالعہ کیا۔ مثلاً انڈیا آفس لائبریری، لندن میں شیخ شہاب الدین

---

[۱] نور محمد قادری، سلسلہ قادریہ میں علامہ کی بیعت۔ مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم (دو جلد) شمارہ اپریل ۱۹۷۵ء۔ ص ۴۴۔ (اضافہ ۱۹۸۰ء)

Marfat.com

کی عوارالمعارف، امام غزالی کی مشکوٰۃ الانوار، سید علی ہجویری کی کشف المحجوب اور سید محمد گیسودراز کی تصنیف خاتمہ مطالعہ فرمائیں۔ برٹش میوزیم میں میر جرجانی کا رسالہ فی الوجود اور ٹرینیٹی کالج میں عزیز الدین نسفی کے رسائل بھی مطالعہ میں آئے ۔[۱]

صوفیائے کرام کے حالات اور تعلیمات کے مطالعہ نے اقبال کے ذوقِ تصوف کو اور اجاگر کیا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب وہ وطن عزیز واپس آئے، تو تصوف کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا۔ خاص طور پر جلال الدین رومی اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا مطالعہ کیا۔ اقبال کو جس تصوف سے لگاؤ تھا وہ عجمی الاصل نہ تھا۔ بلکہ اس کی اصل حجازی تھی۔ اسی تصوف کو اقبال، اخلاص فی العمل سے تعبیر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں مولانا اسلم جیراجپوری کو تحریر فرماتے ہیں:

> "تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے . . . . تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں، جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے، تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے ۔[۲]

اقبال نے تصوف کی جو تعریف فرمائی، حضرت مجدد الف ثانی نے بھی من و عن فرمائی ہے ۔[۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال آپ سے بے حد متاثر تھے۔

عجمی تصوف پر اقبال کی سخت تنقید سے کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اقبال کو تصوف اور صوفیائے کرام سے نفرت ہے۔ چنانچہ اقبال کے دوست خواجہ حسن نظامی نے غلط فہمی کی بنا پر بہت کچھ لکھا اور شائع بھی کیا۔ مگر دوستی اپنی جگہ قائم رہی۔

اگر بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو اقبال کی بیشتر تصانیف صوفیائے کرام سے روحانی طور

---

[۱] MOHAMMAD IQBAL. THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA, LAHORE.

[۲] عطاء اللہ، اقبال نامہ جلد اول، مطبوعہ لاہور، ص ۵۴-۵۳، مکتوب محررہ ۱۷ اپریل ۱۹۱۹ء

[۳] احمد سرہندی، مکتوبات شریف مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۳ھ جلد اول مکتوب ۳۶

پر تاثر کا نتیجہ ہیں۔ اقبال کے خطبات، مکتوبات اور منظومات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو اس گروہ احرار سے خاص تعلق اور روحانی لگاؤ تھا۔ مثلاً ان کی تصانیف میں ان حضرات کا ذکر ملتا ہے۔ شیخ علی ہجویری، شیخ محی الدین گیلانی، میر سید علی ہمدانی، شیخ معین الدین چشتی، شیخ فرید الدین اجودھنی، شیخ محمد غوث گوالیاری، شیخ نظام الدین دہلوی، شیخ صابر کلیری۔ وغیرہ وغیرہ۔

اقبال جس تاب میں آثار حیات پاتے اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ان کو زندگی کی تلاش تھی اور اسی تلاش میں وہ سفر و حضر میں اہل دل کی تلاش میں رہتے تھے۔ مزارات پر حاضر ہوتے اور مستفیض ہوتے۔ ان کی نظر میں "درس کتاب" سے "درس نظر" کہیں بہتر ہے۔

صد کتاب از اہل ہنر
خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر
ہر کسے زاں مے کہ ریزد از نظر
مست می گردد بانداز دگر!
از دم باد سحر میرد چراغ
لالہ زاں باد سحر مے در ایاغ [1]

خداشناسی کی یہ لگن ہی تھی کہ آخری عمر میں تمام کتابوں کا مطالعہ ترک کر کے صرف قرآن پاک اور مثنوی مولانا روم کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] طاہر فاروقی، سیرت اقبال۔ ص۔ ۲۵۵

Marfat.com

(۲)

حضرتِ مجدد سے اقبال کی عقیدت

اقبال نے بھی سلسلہ قادریہ میں اپنی بیعت اور حضرت مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)[۱] سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اپنے مکتوب محررہ ۱۳ نومبر ۱۹۱۷ء میں کیا ہے جو موصوف نے سید سلیمان ندوی مرحوم (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) کے نام لکھا تھا، فرماتے ہیں:

خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے، مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں۔ حالانکہ حضرت محی الدین کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔[۱]

اہل اللہ سے تعلق ہی کا فیضان تھا کہ اقبال نے خود دارانہ زندگی بسر کی۔ نہ اہل دُوَل کی چوکھٹ پر خود جھکے اور نہ اپنی قوم کو جھکایا اور ہر منزل پر اہل اللہ سے تعلق رکھنے کی تلقین کی چنانچہ ضرب کلیم میں ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

چاہیے خانۂ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

وہ نوجوانان قوم کو "مہمان عزیز" کی تلاش میں سرگرم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ضرب کلیم میں ایک اور جگہ کہا ہے ؎

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

چراغ دل کو فروزاں کرنے کے لئے تو کسی ضیا بار قلب ہی کی ضرورت ہے جو اپنی ضیا باریوں سے قلب کو منور کر دے اور زندگی، زندگی بن جائے۔ اسی لئے اپنے عزیز فرزند

---

[۱] عطاء اللہ شیخ، اقبال نامہ، جلد اول مطبوعہ لاہور، مکتوب ۳۵، صفحہ ۷۷-۷۸

Marfat.com

جاوید کو نصیحت فرماتے ہیں :-

دربارِ شہنشہی سے خوشتر
مردانِ خدا کا آستانہ !
ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا !
اللہ کی شانِ بے نیازی ؎

اقبال خود بھی اپنے فقر کی تلاش میں تھے جس کی اصل حجازی ہو وہ عجمیت کے نہیں۔ حجازیت کے عاشق تھے۔ اور جہاں جہاں ان کو حجازیت کے آثار نظر آتے تھے وہ بسر و چشم اور بصد شوق و ذوق اس طرف جاتے تھے۔ ان کے نزدیک عجمیت "سکونی" (STATIC) ہے اور حجازیت "حرکی" (DYNAMIC) ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ سے اقبال کا تعلق خاطر حرکیت پسندی ہی کی وجہ سے ہے۔ ان کے نزدیک یہ سلسلہ حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے چنانچہ عبدالقادر بیدل (م - ۱۱۳۳ھ) ؎ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے سلاسل طریقت پر بھی اجمالی روشنی

؎ - اقبال ، ضرب کلیم ، مطبوعہ لاہور - ص ۸۸

؎ - مرزا عبدالقادر بیدل بن عبدالخالق ، ۱۰۵۴ھ میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ ترکوں کے قبیلہ برلاس سے آپ کا تعلق تھا۔ کم سنی میں والد کا انتقال ہوگیا تو عم مکرم مرزا قلندر نے پرورش کی۔ بیدل نے ۵ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کیا۔ پھر ۵ برس علوم نقلیہ کی تحصیل کی۔ اس کے بعد تعلیم ترک کرکے فقیرانہ رنگ اختیار کیا۔ زیادہ وقت فقراء کے ساتھ گزرنے لگا۔

بیدل بڑے ذہین و طباع تھے، شعر گوئی کی طرف فطری میلان تھا۔ عبرتی کی ریاض الافکار کے مطابق بیدل کو مولانا کمال سے شرف تلمذ حاصل تھا: اور نشتر عشق کے مطابق بیدل کا پہلا تخلص رمزی تھا۔ بعد میں بدل کر بیدل رکھ لیا۔

بیدل بڑے پرگو اور پرجوش گو شاعر تھے۔ بقول غلام علی آزاد بلگرامی بیدل کی کلیات میں ۹۹ ہزار اشعار ہیں۔ چونکہ طبعاً فقر پسندی کی طرف مائل تھے۔ اس لئے "مہزار صفت" میں بھی زبان "دل کی رفیق" رہی۔ کیونکہ خط —— بھی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق ——

Marfat.com

ڈاکٹر ب فرماتے ہیں:۔

بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے۔ نقشبندی سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی ہے۔ نقشبندی مسلک "حرکت" اور "رجائیت" پر مبنی ہے۔ مگر چشتی مسلک میں قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقۂ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے، مگر ہندوستان سے باہر افغانستان، بخارا، ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے۔ ؎

حضرت مجدد کی ذاتِ گرامی اقبال کے دعوے پر شاہدِ عادل ہے۔ خاکِ ہند سے حضرت

اسی لئے بقول اقبال، بیدل کا کلام سکونی نہیں حرکی ہے۔ بیدل نے ۲۱ سال کی عمر میں وطنِ عزیز کو چھوڑا۔ بقول غلام علی آزاد بلگرامی بیدل کی نشو و نما زیادہ تر دوسرے شہروں میں ہوئی۔ سفینۂ خوشگو کے مطابق بیدل، اکبرآباد بھی رہے۔ بعد میں دہلی چلے آئے جس زمانے میں اورنگ زیب مہمات دکن میں مصروف تھا۔ فتنہ و فساد کی وجہ سے بیدل، دہلی سے متھرا آ گئے تھے۔ یہاں سے جاٹوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۹۶ھ میں پھر دہلی آ گئے۔ یہاں بیدل نے ۲۶ سال گزارے (بقول سفینۂ خوشگو) لیکن بیچ میں جب ساداتِ بارھہ کے ہاتھوں فرخ سیر قتل ہوا، اور بیدل نے امیر الامراء سید حسین علی خاں کو دو تنقیدی شعر لکھ کر بھیجے تو سادات کو ان سے کچھ دشمنی ہو گئی۔ چنانچہ اسی وجہ سے بیدل ۹، ذی الحج ۱۱۳۲ھ میں ترکِ سکونت کر کے لاہور چلے آئے۔ لیکن جب امیر الامراء مارا گیا (۹، اکتوبر ۱۷۲۰ء) اور سادات کا زور ٹوٹ گیا، تو بیدل، لاہور سے دہلی چلے گئے۔ لیکن چند ماہ بعد بقول بندرابن داس خوشگو، تپِ محرقہ میں مبتلا ہو کر یوم پنجشنبہ چہارم صفر ۱۱۳۳ھ کو دہلی میں انتقال ہو گیا۔ اور حویلی کے آنگن میں دفن ہوئے۔ مگر اب قبر کا نام و نشان تک نہیں۔ ؎

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

خواجہ حسن نظامی مرحوم نے شاہ سلیمان پھلواروی کی نشان دہی پر ۱۳۵۹ھ میں جو مزار بنوایا ہے۔ وہ اصل جگہ پر نہیں ہے۔

(مجلہ اسٹڈو ادب، علی گڑھ شمارہ نمبر ۱، ۱۹۶۳ء، ملخصاً)

ؔ۔ محمود نظامی: ملفوظات، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۱۲۲

Marfat.com

مجدد الف ثانی جیسا انقلاب انگیز صوفی پیدا نہیں ہوا۔ آپ نے عجمیت کے رنگ میں رنگی ہوئی فضا کو حجازی رنگ میں رنگا۔ مسلم کا فرنما کو مسلم بنایا۔ حضرت مجدد کی اسی فکری اور عملی انقلاب انگیزی اور حرکت پسندی نے اقبال کو اپنی طرف متوجہ کیا، اور وہ کشاں کشاں آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ ع

رحمت حق بہانہ می جوید

حضرت مجدد کی تعلیمات اور عملی و علمی کارناموں کے مطالعہ سے پہلے اقبال اس طرف متوجہ نہ تھے۔ راقم کے کرم فرما اور خاندان مجددیہ کے چشم و چراغ مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب سرہندی مرحوم نے اقبال سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے :-

ایک مرتبہ چند احباب کے ساتھ سرہند شریف جاتے ہوئے لاہور پہنچا تو اقبال سے ملاقات کو دل چاہا۔ چنانچہ عصر کے وقت ملاقات کے لئے گیا۔ اقبال کو جب یہ معلوم ہوا کہ مجھ کو خاندان مجددیہ سے نسبی تعلق ہے تو انہوں نے بڑی عزت افزائی فرمائی اور حضرت مجدد سے اپنی عقیدت کی ابتداء کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا۔

" اقبال نے کہا کہ ایک مرتبہ میں حافظ عبدالحلیم کے ہاں چند احباب کے ساتھ بسی گیا ہوا تھا۔ واپسی کے وقت راستے میں سرہند پڑا۔ احباب حضرت مجدد کے مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا۔ سب لوگ مراقب ہوگئے میں بیٹھا رہا۔ اچانک مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ لرزنے لگا۔ اور تھوڑی دیر بعد بیہوش ہوگیا۔ جب سب لوگ مراقبے سے فارغ ہوئے، تو مجھ پر پانی چھڑکا اور میں ہوش میں آیا۔ اس روحانی تجربے کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء فیضان الٰہی سے خالی نہیں۔"

حضرت مولانا محمد ہاشم جان فرماتے ہیں کہ اقبال یہ واقعہ بیان کرتے اور روتے جاتے۔ ان کا دل محبت سے معمور اور آنکھیں اشکبار تھیں۔

گاہ بحیلہ می برد گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب

Marfat.com

سید نذیر نیازی کے نام اقبال نے جو مکاتیب ارسال فرمائے ہیں۔ ان میں بھی سرہند شریف حاضری کا ذکر ہے۔ لیکن غالباً یہ حاضری عقیدتمندی اور محبت کے بعد ہوئی چنانچہ اپنے مکتوب محررہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء میں تحریر فرماتے ہیں:

آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں۔ چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔

"ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیجدیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔"

"پیغام دینے والا معلوم نہ ہو سکا کہ کون ہے۔ اس خواب کی بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہؤا تھا، تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہوگا، تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا۔ وہ بھی ساتھ جائے گا۔ تاکہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے۔ چودھری محمد حسین، منشی طاہرالدین اور علی بخش ہمراہ ہونگے۔ اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے۔"[۱]

۳۰ جون ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میں ہفتہ کی شام کو سرہند سے واپس آگیا تھا۔ نہایت عمدہ اور پُرفضا جگہ ہے۔ انشاء اللہ پھر بھی جاؤں گا۔[۲]

پھر ۳ جولائی ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

سرہند خوب جگہ ہے۔ مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ بڑی پاکیزہ جگہ ہے۔ پانی اس کا سرد و شیریں ہے۔ شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آگیا جس کی بنا حضرت عمرو بن العاص نے رکھی تھی۔ اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں کہ اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا، اور موجودہ لاہور سے آبادی و

---

[۱] نذیر نیازی، مکتوبات اقبال، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء۔ ص ۱۶۱

[۲] ایضاً، ص۔ ۱۶۲

Marfat.com

وسعت کے لحاظ سے دُگنا تھا۔[۱]

مندرجہ بالا مکاتیب نقل کرنے کے بعد سید نذیر نیازی صاحب نے مندرجہ ذیل توضیحی حاشیہ لکھا ہے:

حضرت علامہ سرہند سے بڑا گہرا اثر لے کر آئے تھے۔ اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ مسلمان اپنی تاریخ و تمدن سے کس درجہ بے خبر ہیں۔ بلکہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔

راقم الحروف کے دل پر ایک تو اس اسلوب کا بڑا اثر تھا جس میں حضرت علامہ نے سرہند کا نقشہ کھینچا تھا ـــــ یہ اسلوب کیسا برجستہ اور تصنع سے پاک تھا۔ صاف و سادہ اور شہر کے ان احوال پر جیسا کہ مشاہدے سے ان کا انکشاف ہوا، یعنی حقیقت پر مبنی ـــــ ثانیاً ان کا ذہن بعض سکھ گروؤں کے اس قتل کی طرف منتقل ہو گیا جس کو سکھوں نے مکتوبات کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح حضرت مجدد کے اثر کا نتیجہ ٹھہرایا ہے اور جن کی بنا پر یہ ان کا مذہبی فریضہ بن گیا تھا کہ ہر آنے جانے والا سکھ، سرہند کی ایک ایک اینٹ دریا میں ڈال دے۔ اسلام اور مسلمانوں کے اس ثقافتی مرکز کی تباہی گویا سکھوں کے ہاتھ سے ہوئی اور پھر ابدالی کی غلط بخشی ملاحظہ ہو کہ ۱۷۶۷ء میں سکھوں کا زور ٹوٹنے کے باوجود سرہند کی حکومت ایک سکھ سردار کے سپرد کر دی۔[۲]

مولانا عبدالمجید سالک نے بھی "سفرِ سرہند" کے عنوان کے تحت اقبال کے سرہند شریف جانے اور اُن کے قلبی تاثرات کو قلم بند کیا ہے۔[۳] پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی سفرِ سرہند کا ضمنی طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:۔

۱۹۳۵ء میں ان کو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی

۱۔ ایضاً، ص ۱۶۴

۲۔ نذیر نیازی، مکتوبات اقبال، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۱۶۴-۱۶۵

۳۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء، ص ۱۹۱

Marfat.com

اور مزار مبارک پر مراقب ہو کر جو روحانی فیض ان کو حاصل ہوا اور جو کیفیت ان پر طاری ہوئی اس کا کچھ تذکرہ انہوں نے مجھ سے بھی کیا تھا۔[۱]

راقم الحروف نے پروفیسر موصوف کو خط لکھ کر اقبال کے تاثرات کے متعلق مزید استفسار کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا :-

تذکرے کی تفاصیل میرے ذہن میں اب بکلی محفوظ نہیں ہیں لیکن اس قدر یاد ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لئے مزار مبارک پر تخلیہ کرا دیا تھا۔ میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہی۔ مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تمہاری دینی خدمات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہو گئی ہیں۔ آں حضورؐ کی تم پر خاص نگاہِ کرم ہے۔ میرے قلب میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا۔ اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصانِ خدا کا فیض بعد وفات بھی جاری رہتا ہے۔ اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضور انور کے روضہ مبارک سے کس قدر فیضان جاری ہے۔ رقت کا عالم برابر طاری رہا۔ زمان و مکاں کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا۔ دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سما گئی ہے۔[۲]

اقبال نے ضربِ کلیم (۱۹۳۵ء) میں اسی تجربے کی بنا پر کہا ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے !
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اقبال کی عقیدت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ موصوف نے ۱۹۳۲ء میں انگلستان

۱۔ یوسف سلیم چشتی ، شرح بال جبریل ، مطبوعہ لاہور ۔ صفحہ ۷۰۶ - ۷۰۷۔
۲۔ مکتوب از پروفیسر یوسف سلیم چشتی محررہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۲ء ۔ از لاہور

Marfat.com

میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اقبال نے ۸ اگست ۱۹۳۳ء کو پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کو ایک مکتوب تحریر کیا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں :

"میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے[1] "

اس مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی کا کیا مقام تھا وہ ان کے فلسفہ کو یورپ کے لوگوں سے متعارف کرانا چاہتے تھے۔ اسی لئے ۱۹۳۱ء میں روما اور قاہرہ میں جو تقریریں کی تھیں۔ ان میں بھی حضرت مجدد کا ذکر فرمایا تھا۔ موضوع RELIGIOUS EXPERIENCE تھا۔ اسی سنہ میں لندن میں ایک تقریر کی تھی جس کا عنوان تھا IS RELIGION POSSIBLE" اس میں بھی حضرت مجدد الف ثانی کا تفصیلی ذکر موجود ہے جس کو ہم آئندہ چل کر بیان کریں گے۔

۱۹۳۲ء میں اقبال نے حضرت مجدد پر جس تقریر کا ذکر کیا ہے وہ باوجود تلاش بسیار کے دستیاب نہ ہو سکی۔ راقم نے ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم سے دریافت کیا تھا۔ موصوف نے تحریر فرمایا، "سنا ہے اس تقریر کا مسودہ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال کے پاس ہے[2]"
راقم نے ڈاکٹر جاوید اقبال سے استفسار کیا جواب نفی میں آیا[3] چونکہ اس سفر میں مولانا غلام رسول مہر اقبال کے ساتھ تھے۔ اس لئے موصوف سے بھی دریافت کیا۔ مولانا نے سفر یورپ کا روزنامچہ دیکھ کر تفصیلات سے آگاہ کرنے کا وعدہ فرمایا تھا[4] مگر ہنوز کوئی جواب نہیں آیا۔ انگلستان میں ڈاکٹر آربری کو لکھا۔ انہوں نے بھی یہی لکھا کہ یہ تقریر انگلستان میں شائع نہیں ہوئی۔ اور

---

[1] ۔ شیخ عطاء اللہ : اقبال نامہ حصہ اول ۔ مطبوعہ لاہور ۔
[2] ۔ مکتوب محررہ ۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۲ء از لاہور
[3] ۔ مکتوب محررہ ۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء از نیویارک
[4] ۔ مکتوب محررہ ۔ ۳ اپریل ۱۹۶۳ء از لاہور

Marfat.com

تلاش بسیار کے بعد اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا[1] ڈاکٹر عبادت بریلوی آج کل لندن میں ہیں ان کو بھی لکھا، لیکن موصوف نے جواب دیا :۔

بہت سے لوگوں سے پوچھا، یونیورسٹیوں کو بھی لکھا لیکن سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں اب بھی تلاش میں ہوں۔ اگر مل گیا تو اس کی نقل آپ کو ضرور بھجوا دوں گا۔[2] حضرت مجدد کے علمی اور عملی کارناموں نے اقبال کو بہت متاثر کیا۔ اقبال نے بال جبریل کی ایک نظم میں اپنے قلبی تاثرات اور حضرت مجدد کے کارناموں کا ایجاز و اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس نظم کا عنوان ہے "پنجاب کے پیرزادوں سے" گویا یہ نظم خانقاہ نشینوں کے لئے درسِ طریقت ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر !
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار :

اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے، گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

آئی یہ صدا کہ سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار

عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہِ فقر سے ہو طرّۂ دستار

---

[1] ۔ مکتوب محررہ ۲ رمئی ۱۹۶۳ء از کیمبرج
[2] ۔ مکتوب محررہ ۸ رمئی ۱۹۶۳ء از لندن

Marfat.com

باقی کلہ فقر سے تھا ولولۂ حق،
طرّوں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار[1]

اقبال نے اس نظم میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو شیخ مجدد کہا ہے۔ غیر متعلق نہ ہوگا، اگر یہاں یہ بتاتا چلوں کہ "مجدد الف ثانی" کا خطاب سرزمین سیالکوٹ کے ایک مایہ ناز عالم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (م۔ ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) نے دیا تھا۔ سب سے پہلے موصوف نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو "مجدد الالف الثانی" تحریر فرمایا۔ پھر یہ خطاب دُور و نزدیک پھیل گیا۔ اور آج آپ اسی خطاب سے جانے جاتے ہیں۔ اور حسنِ اتفاق کہ اسی سرزمین سے اقبال پیدا ہوا جس نے تعلیماتِ مجددیہ کو از سرِ نو زندہ کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ واقعی آپ الف ثانی کے مجدد ہیں۔[2]

اقبال متذکرہ بالا نظم میں حضرت مجدد کے تجدیدی کارناموں اور مجاہدانہ کارگزاریوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ع

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

"صاحبِ اسرار" سے علوم دینیہ اور اُمورِ دنیویہ میں حضرت مجدد کی ژرف نگاہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے بعد ہی جہانگیر کے دربار میں حاضری کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

جہانگیر نے حضرت مجدد پر ایک جھوٹا الزام لگا کر[3] دربار میں طلب کیا تھا۔ دربار میں جانے سے پہلے شہزادہ خرم (شاہجہان) نے جو آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چند علماء کو بھیج کر یہ

---

[1] ۔ اقبال، بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۲۱۱-۲۱۲ [2] ۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی؛ ماثر الکرام، جلد اوّل، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء، ص ۲۰۴؛ فقیر محمد جہلمی؛ حدائق الحنفیہ، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء، ص ۴۱۴

[3] ؛ محمد ہاشم کشمی؛ زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷/۱۸۹۰

[4] ؛ دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء (اردو) مطبوعہ لاہور، ص ۲۲۴

Marfat.com

درخواست کی تھی کہ حضرت، جہانگیر کے سامنے سجدہ تعظیمی کر لیں تو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ نیز یہ کہ علمائے کرام نے سجدۂ تعظیمی کو مباح لکھا ہے۔ اس پر آپ نے جواب دیا ـــــــ یہ تو رخصت ہے، عزیمت یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے [1] حضرت مجدد کی عزیمت پسندی نے سرزمین ہند کو بڑی ہلاکت سے بچا لیا اور تاریخ ہند کا رُخ موڑ دیا۔ اگر رخصت پر عمل کیا ہوتا تو پھر جہانگیر، جہانگیر نہ ہوتا۔ شاہ جہان، شاہ جہان نہ ہوتا۔ اورنگ زیب، اورنگ زیب نہ ہوتا۔ تاریخ ہند کا کچھ اور ہی رُخ ہوتا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف علامہ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

عجب نہیں کہ مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" میں اسلام میں فقر و درویشی کا تصور پیش کرتے ہوئے حضرت مجدد کی سیرت بھی سامنے ہو، ان اشعار کے قرائن سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اقبال فرماتے ہیں۔

چیست فقر اے بندگان آب و گل
یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل
فقر، کارِ خویش را سنجیدن است
بر دو حرف "لا الٰہ" پیچیدن است
فقر، ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم ایں متاع مصطفےٰ است
برگ و ساز او در قرآن عظیم
مرد درویشے نہ گنجد در گلیم:
قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیش سلطان نعرۂ او "لا ملوک"

---

[1] غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان مطبوعہ ۱۳۰۳ھ ص ۴۹

Marfat.com

حضرت مجدد نے جہانگیر کے سامنے یہی نعرۂ لاملوک۔ بلند کیا تھا جس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں[ج] اور آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کو برداشت کیا اور ثابت کر دکھایا۔

"فقر، ذوق و شوق و تسلیم و رضاست"

اقبال نے ضرب کلیم میں انہی حضرات کے لئے کہا ہے:۔

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے!
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انہیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

اقبال اس شخص کی پیشوائی و امامت کو ملتِ اسلامیہ کے لئے فتنہ قرار دیتے ہیں "جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے":۔

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

حضرت مجدد نے شاہ پرستی نہیں سکھائی، خدا پرستی سکھائی۔ یہی ادا اقبال کو بھائی ہے۔ انہوں نے خود، خود دار طبیعت پائی تھی۔ غیر اللہ کے سامنے جھکنا ان کے نزدیک موت کے مترادف تھا۔ وہ ایک سجدے کو سب سجدوں پر بھاری سمجھتے تھے۔

وہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مذکورہ بالا نظم کے چوتھے شعر میں اقبال نے حضرت مجدد کے اصلاحی کارناموں کی طرف

لہ (ا) بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ اردو، مطبوعہ لاہور ۱۳۳۱ھ ص ۱۲۶۔
(ب) صدیق حسن خاں، ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۵ھ، ج ۳، ص ۸۹۹

ج- T.W. ARNOLD THE PREACHING OF ISLAM, LAHORE, 1956. PAGE, 412.

Marfat.com

اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان،
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

تاریخ کے طلبہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اکبر کے ہاتھوں ملتِ اسلامیہ کا سرمایہ کس بیدردی سے لٹ رہا تھا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ ۱۵۸۲ء میں دین اسلام کے مقابلے میں ایک نیا دین "دینِ الٰہی" کے نام سے بنایا گیا اور یہ دین اسلام پر اکبر کا آخری وار تھا۔ اکبر کے درباری مؤرخ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اکبر کی بے راہ رَویوں اور گمراہیوں اور عام ناگفتہ بہ حالات کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:۔

اکبر آفتاب کی پرستش کرتا تھا، آب و آتش، شجر و حجر سب کی پرستش کی جاتی تھی گائے کے گوبر کی پوجا ہوتی تھی، اکبر قشقہ لگاتا تھا، زنار پہنتا تھا، کتے کو ناپاک نہیں سمجھتا تھا بلکہ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ان کی زیارت عبادت تصور کی جاتی تھی۔ جانور ذبح کرنے والے خصوصاً گائے ذبح کرنے والوں کی انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں، قلعہ میں جوئے کی بازیاں لگتی تھیں، شراب دھڑلے سے بکتی تھی، اور شراب فروش ایک مسلمان عورت تھی، شیخ الاسلام، مفتی صدر جہاں اور میر عدل میر عبدالحئی بھی خم پہ خم چڑھایا کرتے تھے۔ داڑھی کا رکھنا معیوب تھا، عربی لکھنا اور پڑھنا جرم تھا۔ حتیٰ کہ عربی حروف کے استعمال کی بھی ممانعت کردی گئی تھی۔ مسجدیں ویران ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ یا تو اصطبل بن رہے تھے یا مندر۔ الغرض دین اسلام کی پوری پوری بیخ کنی کی جا رہی تھی اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔[۱] (ملخصاً)

ان حالات میں حضرت مجدد نے اصلاح و تبلیغ کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ مکتوبات شریف میں اعیانِ مملکت کے نام بے شمار مکتوب ملتے ہیں۔ جن میں حالات کی اصلاح کی طرف ترغیب دلائی ہے۔ مثلاً دربارِ اکبری کے ممتاز فرد شیخ فرید بخاری (م۔ ۱۰۲۵ھ۔ ۱۶۱۶ء) کو ایک مکتوب

---

[۱] ۔ عبدالقادر بدایونی۔ منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء

Marfat.com

میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ذرا خیال کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی۔ ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا، مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے' اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے اپنے نفع و نقصان کا خیال بھی نہ کرنا، یہ ہے دیوانگی : اسلام رہے تو کچھ بھی ہو اور اگر نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے۔ اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے۔ اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں[1]

اس طرح حضرت مجدد نے اعیانِ مملکت کو دین اسلام کی زبوں حالی اور آنے والی تباہی سے بروقت خبردار کیا : اکبر کے زمانے میں راستہ ہموار کیا اور جہانگیر کے زمانے میں وہ وقت بھی آیا جب کہ خود جہانگیر نے امورِ شرعیہ میں مشورہ دینے کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا اور حالات روبہ اصلاح ہونے لگے۔ اورنگ زیب کے عہد تک اسلام کو جو فروغ ہوا وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ یہ سب کچھ خاندان مجددیہ کی مساعی جمیلہ کا ثمر شیریں تھا۔ اس پر ایک علیحدہ مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے۔

بالِ جبریل میں ایک اور نظم ملتی ہے جس کا عنوان ہے' ساقی ': اس کا مطلع ہے ۔

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی[2]

یہاں 'ساقی' سے حضرت مجدد الف ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا شعر ہے ۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

میاں بشیر احمد بیرسٹرایٹ لاء نے اس شعر کا مفہوم اقبال سے پوچھا تھا۔ یہ باتیں انہیں کی زبانی سنیئے :۔

---

[1] ۔ احمد سرہندی ۔ مکتوبات شریف دفتر اول، حصہ سوم، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۴۳ھ، مکتوب ۱۶۳، ص ۴۵

[2] ۔ اقبال ۔ بال جبریل ۔ مطبوعہ لاہور ۔ ۱۹۴۷ء، ص ۱۷

Marfat.com

جب وہ اپنی میوروڈ والی کوٹھی جاوید منزل میں آچکے تھے میں کبھی کبھی حاضر ہوتا اور بال جبریل کے بعض اشعار کا مفہوم دریافت کرتا۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب اس شعر میں کیا اشارہ ہے؟

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

میں حیران ہوا کہ تین سو سال ہوئے کہ جہانگیر کے ہاں میخواری کا دور دورہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کیا پھر وہی رسم قدیم جاری کرنا چاہتے ہیں کیا؟ جواب دیا کہ نہیں، یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانانِ ہند کے سب سے زبردست رہنما گزرے ہیں۔ [1]

علامہ اقبال نے اسی مفہوم کا ایک شعر مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" میں بھی کہا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

از سہ قرن ایں امت خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرور اندروں [2]

اقبال کو اس حقیقت کا زبردست احساس تھا کہ حضرت مجددؒ کے بعد تین سو سال سے ایسا مردِ حر پیدا نہیں ہوا جو افرادِ ملت میں آزادی و حریت اور ایمان و عشق کی روح پھونک دے۔ ان کو یہ بھی احساس تھا کہ علماء تقلید کی طرف مائل ہیں، اور کوئی ایسا عالم نہیں جو میدانِ علم میں توسنِ تحقیق دوڑائے۔ اسی لئے بصد حسرت و یاس فرماتے ہیں۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

حضرت مجدد الف ثانی نے علم کو عشق آشنا کیا، اسی کے سہارے دلوں پر حکمرانی کی اور باطل کی قوتوں کا مقابلہ کیا۔ اقبال اسی علم کی تلاش میں ہیں جو ہم صفیرِ عشق ہو۔ اسی لئے اپنے عہد کی عقلیت پرستی اور عشق سے بیگانگی پر ماتم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

---

[1] محمود نظامی: ملفوظاتِ اقبال۔ مطبوعہ لاہور ص ۲۹-۲۸

[2] اقبال، مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق"۔ مطبوعہ لاہور ص ۲۸

Marfat.com

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے!
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

اقبال کو حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات میں مادیت کے اس تاریک دور میں روشنی اور نور نظر آرہا ہے۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ نوعِ انسانی کے مسائل کا صحیح حل اور اس کے دردوں کا مداوا ایک مردِ حُر کے پاس ہے۔ اسی لئے کس حسرت سے فرماتے ہیں:-

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی [۶]

---

[۶]۔ محمد اقبال: بالِ جبریل، ص ۱۷، ۱۸

Marfat.com

(۳)

وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور اقبال

"شمع و شاعر" اقبال کی وہ پہلی نظم ہے جس میں وہ تصورِ خودی ملتا ہے جو فکرِ جدید میں انقلاب آفریں ہے۔ اس نظم کا سالِ اشاعت ۱۹۱۲ء ہے۔ اسی سال اقبال نے اپنی مشہور مثنوی "اسرارِ خودی" لکھی اور مسئلہ خودی کو اس میں باضابطہ طور پر پیش کیا۔

"اسرارِ خودی" کی اشاعت سے پیشتر اقبال پر وجودیت کا رنگ غالب تھا۔ بانگِ درا میں وجودی مفہوم کی بہت سی نظمیں ملتی ہیں۔ اس ضمن میں معنی آفرینی کے لحاظ سے مندرجہ ذیل شعر اردو ادب میں شاہکار ہے۔

ہاں آشنائے لب نہ ہو رازِ کہن کہیں
پھر نہ چھڑ جائے قصہ دار و رسن کہیں!

جس زمانہ میں اقبال ڈاکٹریٹ کا مقالہ تصنیف کر رہے تھے۔ اس وقت وہ جلال الدین رومی سے اتنے متاثر نظر نہیں آتے جتنے کہ محی الدین العربی سے، وہ لکھتے ہیں :-

THE STUDENT OF ISLAMIC MYSTICISM WHO IS ANXIOUS TO SEE AN ALLEMBRACING EXPOSITION OF THE PRINCIPLE OF UNITY, MUST TAKE UP THE HEAVY VOLUMES OF THE ANDALUSIAN IBN AL-ARABI, WHOSE PROFOUND TEACHING STANDS IN STRANGE CONTRAST WITH THE DRY-AS-DUST ISLAM OF HIS COUNTRYMEN. ؁

لیکن اسرارِ خودی کی اشاعت کے بعد اچانک انکشاف ہوا کہ وہ اب "ہمہ اوستی" نہیں، "ہمہ از وستی" ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ـــ

؁ : MOHAMMAD IQBAL: THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA, LAHORE, INTRODUCTION P.X

Marfat.com

اسرارِ خودی کے شائع ہونے کے بعد ان کے کیمبرج کے استادِ فلسفہ میک ٹیگرٹ نے انہیں لکھا کہ طالب علمی کے زمانے میں تو تم زیادہ تر "ہمہ اوستی" معلوم ہوتے تھے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے ہٹ گئے ہو۔[1]

اسرارِ خودی کی تمہید میں اقبال نے حافظ شیرازی اور عجمی تصوف پر سخت تنقید کی ہے جس سے خواجہ حسن نظامی بہت برگشتہ ہوئے اور علامہ کے خلاف بہت کچھ لکھا۔

اقبال کی اسرارِ خودی عجمی تصوف کے خلاف اعلان بغاوت تھا اور احیاءِ شریعت اسلامیہ کے لئے ایک نیک کوشش۔ خود فرماتے ہیں :۔

ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہوئی۔[1]

نکلسن، اسرارِ خودی کے دیباچے میں لکھتے ہیں :۔

THE CRY "BACK TO THE QURAN" "BACK TO MUHAMMAD" HAS BEEN HEARD BEFORE, AND THE RESPONSES HAVE HITHERTO BEEN SOMEWHAT DISCOURAGING — HE SEES THAT HINDU INTELLECTUALISM AND ISLAMIC PANTHEISM HAS DESTROYED THE CAPACITY FOR ACTION — NOW, THIS CAPACITY DEPENDS ULTIMATELY ON THE CONVICTION THAT KHUDI — IS REAL AND IS NOT MERELY AN ILLUSION OF MIND.[2]

نظریہ وحدۃ الوجود میں اس تصور کی گنجائش نہیں کہ "خودی وہم نہیں بلکہ ایک لازوال حقیقت ہے" جیسا کہ اقبال کا نظریہ ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۴ء کے دوران امرتسر میں

---

[1] شیخ عطاء اللہ : مکاتیبِ اقبال، حصہ اول، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۲۴

[2] R. A. NICHOLSON: THE SECRETS OF THE SELF, (ITALICS MINE), LAHORE 1944, P-XI-XII.

Marfat.com

حضرت مجدد کے مکتوبات شائع ہوتے رہے۔ اقبال نے ضرور ان کا مطالعہ کیا ہوگا۔ حضرت مجدد کے ہاں نظریہ شہود ہے۔ اس میں ذات عبد نمایاں ہے، اقبال اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ "اسرار خودی" میں حضرت جلال الدین رومی سے کمال عقیدت کے باوجود ان کے نظریہ "فنا" سے متفق نہیں جیسا کہ نکلسن نے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

MUCH AS HE DISLIKES THE TYPE OF SUFISM EXHIBITED BY HAFIZ, H[E] PAYS HOMAGE TO THE PURE AND THE PROFOUND GENIUS OF JALALUDDIN, THOUGH HE REJECTS THE DOCTRINE OF SELFABANDONMENT TAUGHT BY THE GREAT PERSIAN MYSTIC AND DOES NOT ACCOMPANY HIM IN HIS PANTHEISTIC FLIGHTS.

نکلسن نے تو یہ لکھا ہے کہ اقبال جلال الدین رومی کے تصور وحدۃ الوجود سے متفق نہ تھے۔ [لی]کن خود اقبال کو رومی کے ہاں وحدۃ الوجود نظر نہیں آتا۔ ایک مضمون میں انہوں نے خواجہ حسن نظامی کو [لک]ھا تھا۔

حضرت: میں نے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کو بیداری میں پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے، آپ نے شاید اس کو سکر کی حالت میں پڑھا ہے) اگر ہیں آپ کو وحدۃ الوجود نظر آتا ہے۔ ؎

گسستن و پیوستن (بستر الوصال - بستر الفراق)

اقبال نے ابتداء میں جب رومی کا مطالعہ کیا تو وہ وجودی تھے۔ اگر رومی کے ہاں وحدۃ الوجود

ے۔

؎ ۔ سر اسرار خودی" از محمد اقبال، مطبوعہ اخبار وکیل، امرتسر، ۹ فروری ۱۹۱۶ء بحوالہ مجلہ اقبال (لاہور) اپریل ۱۹۵۴ء ۔ ص ۵۵

؎ ۔ جلال الدین رومی کے تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کی جائیں۔

ا ۔ سلطان ولید : ابتداء نامہ

ب ۔ افلاکی : مناقب العارفین

ج ۔ رومی : مقالات شمس تبریز

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

Marfat.com

نہیں تھا تو پھر اقبال کا اس دور میں وجودی ہونا تعجب انگیز ہے کیونکہ سب سے زیادہ انہوں نے رومی ہی سے تاثر قبول کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلک شہودی کی طرف ان کا میلان طبع مجدد کا مرہون منت ہے۔ اس فکر کی تعمیر میں اور عوامل بھی شامل رہے۔ استاذی ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آخر کار ہمارے مجدد الف ثانی (رحمتہ اللہ علیہ) نے وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدۃ الشہود کا عقیدہ قائم کر کے قرآن اور حدیث کی اتباع پر زور دیا اور سب سے آخر میں شاہ ولی اللہ کا ظہور ہوا جنہوں نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود دونوں کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی مشرق کے ان مفکرین سے اقبال نے استفادہ کیا"[۱۰]

اقبال نے ایک جگہ خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ طالب وصال نہیں، طالب فراق ہیں۔ فراق طلبی ان کے نزدیک اصل حیات ہے۔ اسی لئے وہ اتحاد و حلول کے نظریہ سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ حضرت مجدد کی فراق پسندی ان کو پسند ہے۔ اسی لئے وہ خود کو "سر الوصال" کہلانا پسند نہیں کرتے بلکہ ان کو "سر الفراق" کہلانے پر اصرار ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں خواجہ حسن نظامی کو تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت امام ربانی نے مکتوب میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ "گسستن" اچھا ہے یا "پیوستن"۔ میرے نزدیک "گسستن" عین اسلام ہے اور "پیوستن" رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے۔ اور اسی کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گذشتہ علمائے اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ آپ کو یاد ہو گا جب آپ نے مجھے "سر الوصال" کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو

۶۔ رومی : فیہ ما فیہ تہران ۔ ۱۹۲۸ء

۷۔ بدیع الزماں : شرح حال مولانا ۔ تہران ۱۹۳۲ء

C. HUART: LES SAINTS DES DERVICHES TOURNEURS, PARIS, 1918-22

DR. H. RITTER: DER ISLAM, 1940, 1942.

۱۰۔ غلام مصطفٰے خاں : ادبی جائزے، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء صفحہ

Marfat.com

لکھا تھا کہ مجھے 'سترالفراق' کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے[1]۔

شیخ محمد اکرام نے بھی اس مکتوب کا کچھ حصہ رود کوثر میں نقل کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے :-

اقبال نے 'سترالفراق' کے جس خطاب کی خواہش کی تھی اس کے حضرت مجدد الف ثانی اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ابن العربی کو 'سترالوصال' اور حضرت مجدد کو 'سترالفراق' کہا جائے تو ان کے فلسفوں اور وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا امتیاز بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے[2]۔

بہرکیف اقبال، حضرت مجدد کی اتباع میں 'سترالفراق' کہلانا پسند کرتے ہیں اور مسلک وحدۃ الشہود ہی ان کا مسلک ہے۔ وحدۃ الوجود کو زندیقیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس سے تائب ہو گئے ہیں۔ ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں :-

خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یورپ کا علمی مذہب تو وحدۃ الوجود ہے جس کے وہ حامی ہیں۔ میں تو اس مذہب سے جو میرے نزدیک زندیقیت ہے۔ تائب ہو کر خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہو چکا ہوں[3]۔

وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات سے جو مسموم اثرات پھیل رہے تھے اس سے اقبال نے نہ صرف خود کو محفوظ رکھا بلکہ ملت اسلامیہ کو محفوظ رکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہی وہ مشن تھا جس کی حضرت مجدد نے ابتداء کی تھی، اقبال نے حضرت مجدد کے اس مشن کو ترقی دی چنانچہ خود

---

[1] - مجلہ اقبال لاہور، اپریل ۱۹۵۴ء، جلد نمبر ۲، شمارہ نمبر ۴، ص ۴۵

[2] - محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۳

[3] - 'سر اسرار خودی' از اقبال، مطبوعہ اخبار - وکیل - امرتسر: ۹ فروری ۱۹۱۶ء؛ مجلہ اقبال (لاہور)، اپریل ۱۹۵۴ء

نوٹ :- اقبال کا یہ خیال صحیح نہیں کہ وحدۃ الوجود معاذاللہ زندیقیت ہے۔ خود حضرت مجدد اسی منزل سے وحدۃ الشہود تک پہنچے۔ مسعود

Marfat.com

فرماتے ہیں :۔

رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے علمی زوال کے وقت پیدا ہوئی ہے۔
اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہر وقت موجود رہتی ہیں۔
جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور
اس کو رہبانیت کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔[1]

اسی مقصد کے لئے اقبال نے مثنوی اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی لکھی جو ملتِ اسلامیہ کی حیاتِ اجتماعیہ پر اثر انداز ہوئی۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے صحیح لکھا ہے:

سر محمد اقبال (۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء) ایک بڑے شاعر اور فلسفی عالم تھے۔ جب
سے انہوں نے اسرارِ خودی تصنیف کی مسلمانوں کے سیاسی اور اخلاقی خیالات
کے رجحان کو بدل دیا۔ انہوں نے تصوف کے نظریہ فنا یا نفی خودی کی تنقیص
کی، اس کے بجائے خودی اور اثبات خودی کو تجویز کیا اور وحدت وجود پر اعتراض
کیا۔[2]

ڈاکٹر برہان احمد نے جہاں مابعد حضرات پر حضرت مجدد کے اثرات کا جائزہ لیا ہے وہاں لکھا ہے :۔

بعد ازاں سر محمد اقبال نے متصوفین کے عقیدۂ وحدت وجود کے خلاف احتجاج
کیا اور اسلامی اخلاقیت کو نئی روح بخشی اور جہد و عمل کی زندگی کی تلقین
کی۔[3]

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ایک نشریہ تقریر میں بھی اقبال اور حضرت مجدد

---

[1] ۔ "سر اسرار خودی" از اقبال، مطبوعہ اخبار وکیل (امرتسر) ۹ فروری ۱۹۱۶ء بحوالہ مجلہ اقبال (لاہور) اپریل ۱۹۵۴ء

[2] ۔ برہان احمد فاروقی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء ص ۴۴-۴۷

[3] ۔ برہان احمد فاروقی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء ص ۴۶-۴۷

Marfat.com

الف ثانی کے فکری مماثلات کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کے افکار میں بظاہر جو مماثلت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کے دل میں ولولہ تھا کہ لوگوں کے خیالات کا رُخ اسلام کی طرف پھیرا جائے۔ دونوں کشف کو ذریعہ علم سمجھتے ہیں، دونوں وحدۃ الوجود (نظریہ اتحاد وحلول) کو غلط سمجھتے ہیں۔ دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اسوۂ کامل اور معیار کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔[1]

اقبال کی شہودیت پسندی نے ان کو مقام 'عبدیت' کے تصور سے آشنا کیا۔ کیونکہ وجودیت میں عبدیت کا کیا سوال؟ اسی نظریہ 'عبدیت' پر علامہ نے اپنے مشہور نظریہ 'خودی' کی بنیاد رکھی ہے ابو سعید نور الدین نے بھی لکھا ہے :-

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے بھی، جو برصغیر پاک و ہند کے ایک بہت بڑے صوفی گزرے ہیں۔ انہوں نے بڑے شدومد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سلوک میں سالک کی آخری منزل، جیسا کہ عام طور پر صوفیہ کا عقیدہ ہے، وحدۃ الوجود نہیں بلکہ اس سے بھی آگے اور ایک منزل ہے جسے مقام 'عبدیت' کہنا چاہیئے، یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک پر یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ ایک بندۂ محض ہے۔ وحدۃ الوجود کے تصور سے اس پر خدا سے اتحاد و اتصال کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے، وہ کوئی دائمی کیفیت نہیں ہے، بلکہ عارضی ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ بندہ، بندہ ہے اور خدا، خدا ہے۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے اس نقطہ نظر سے علامہ اقبال بہت زیادہ

---

[1] منشورات اقبال (مرتبہ بزم اقبال) مطبوعہ لاہور، ص ۱۴ (ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اقبال اور مجدد الف ثانی۔

نوٹ :- حضرت مجدد تصور وحدۃ الوجود کو غلط نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کی غیر شرعی تعبیرات کو غلط سمجھتے ہیں۔ اس لئے برہان احمد فاروقی کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت مجدد وحدۃ الوجود کو غلط سمجھتے ہیں۔ مسعود

Marfat.com

متاثر ہوئے۔ وہ اپنی خودی کو فنا کر کے خدا یا اللہ مطلق میں ضم ہو جانے کے ہرگز قائل نہیں اور "مقام عبدیت" یا "مقام بندگی" کو ترک کر کے "شان خداوندی" قبول کرنے کیلئے قطعاً راضی نہیں۔

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزومندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی ؎[1]

شریعت و طریقت کو ہم آہنگ کر کے ایک طرف تو حضرت مجددؒ نے عجمی تصوف کو اسلامی رنگ میں رنگا اور دوسری طرف وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدۃ الشہود کا تصور پیش کر کے اس رنگ کو اور نکھارا۔ اور نام نہاد صوفیہ کے دام تزویر سے ملت اسلامیہ کو بچایا۔ یہ تصورات تصوف میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اس لئے اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

ذوالنون مصری (م۔ ۲۴۵ھ۔ ۸۵۹ء) پہلے صوفی ہیں جن سے وحدۃ الوجود کے خیالات منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان کی بدولت اس تصور نے فروغ پایا اور حسین بن منصور الحلاج (م۔ ۳۰۹ھ۔ ۹۲۱ء) کے ہاں اس نے کمال حاصل کیا۔ منصور کے بعد محی الدین ابن العربی (م۔ ۶۳۸ھ۔ ۱۲۴۰ء) نے وحدۃ الوجود کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا۔ فتوحات مکیہ، ترجمان الاشواق اور فصوص الحکم وغیرہ میں وجودی تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تصور کا موئید ہونے کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے متعلق جو ان کا طرز عمل تھا وہ ان اشعار سے نمایاں ہے جن کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:۔

آج سے پہلے میرا یہ حال تھا کہ جس ساتھی کا دین مجھ سے نہ ملتا میں اس کا انکار کرتا اور اسے اجنبی سمجھتا۔ لیکن اب میرا دل ہر صورت کو قبول کرتا ہے، وہ اب ایک چراگاہ بن گیا ہے غزالوں کی۔ اور دیر ہے راہبوں کا، اور آتشکدہ ہے آتش پرستوں کے لئے، اور کعبہ ہے حاجیوں کے لئے، اور الواح ہے تورات

---

[1] ابوسعید نورالدین، "وحدۃ الوجود اور فلسفۂ خودی"۔ مطبوعہ اقبال ریویو (کراچی)، جولائی ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۵

Marfat.com

کی اور صحیفہ ہے قرآں کا۔

میں اب مذہب عشق کا پرستار ہوں۔ عشق کا قافلہ جدھر جا رہا ہے مجھے لے جائے

میرا دین بھی عشق ہے، میرا ایمان بھی عشق ہے۔[1]

محی الدین ابن العربی کے بعد عبدالکریم جیلی نے اس مسلک کی خوب اشاعت کی اور انسان کامل کا تصور پیش کیا۔ تصور وحدۃ الوجود سے قریب قریب تمام سلاسل طریقت متاثر ہوئے۔ چنانچہ سلسلہ قادریہ میں صدرالدین قونوی، اور عبدالکریم جیلی۔ کبرویہ میں جلال الدین رومی، شمس تبریز۔ سہروردیہ میں فریدالدین عطار، چشتیہ میں محمد گیسو دراز، جعفر مکی، نقشبندیہ میں خواجہ عبیداللہ احرار، عبدالرحمٰن جامی، عبدالغفور لاری وغیرہ۔[2]

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے مرشد خواجہ باقی باللہ کا بھی ابتدا میں یہی مسلک تھا[3] لیکن آخر میں وہ وحدۃ الشہود کے قائل ہو گئے چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

اچانک اللہ کی عنایت بے غایت پردۂ غیب سے ظاہر ہوئی اور بے چونی و بیچگونگی کا پردہ اٹھایا گیا۔ علوم سابق جو اتحاد و وحدت کی خبر دیتے تھے تنزل پذیر ہونے لگے۔ اور قرب و معیت ذاتیہ اور احاطہ و سریان جو اس مقام پر ظاہر ہوا تھا مخفی ہو گیا اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو گئی کہ صانع کو اس عالم سے مذکورہ نسبتوں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے .... اور اگرچہ عالم مرایائے کمالات صفاتی اور مجالی ظہورات آسمانی ہے، لیکن مظہر، عین ظاہر نہیں ہے اور ظل، عین اصل نہیں ہے، جیسا کہ اہل توحید وجودی کا مذہب ہے۔[4]

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد نے وحدۃ الوجود کو "علم الیقین" کے قبیل سے کہا ہے

---

[1] - شیخ محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء ص - ۲۶۳ - ۲۶۴

[2] - محمد نذیر عرشی، مفتاح العلوم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۴ھ، جلد اوّل، ص ۴۵

[3] - محمد معصوم، مکتوبات معصومی (مقالہ صاعد) مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۶۰ء، ص ۲-۹۳

[4] - احمد سرہندی: مکتوبات شریف، جلد اول، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، ص ۸۳-۸۴

Marfat.com

اور وحدۃ الشہود کو "عین الیقین" کے قبیل سے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

جو توحید اس جماعت گرامی کی راہ میں آئی ہے، دو قسم کی ہے توحید وجودی اور توحید شہودی ایک دیکھنا ہے، یعنی یہ کہ سالک کا مشہود سوائے ایک کے اور کوئی نہ ہو۔ اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا۔ اور باوجود عدمیت کے اس کے مجالی و مظاہر کو ایک خیال کرنا۔ پس توحید وجودی "علم الیقین" کے قبیل سے ہے۔ اور توحید شہودی "عین الیقین" کے قبیل سے ہے[۱]

غالب کا یہ شعر نظریہ توحید وجودی کا ترجمان ہے ـــــــ

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی!
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

لیکن اقبال کا یہ شعر نظریۂ توحید شہودی کا ترجمان ہے:۔

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمودِ سیمیائی

حضرت مجدد بھی معرفت نفس اور معرفت ذات پر زور دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک منزل فنا سے اوپر بھی ایک منزل ہے، جہاں ابن العربی نہیں پہنچے۔ اس منزل پر سالک کو یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا کو محض وجدان کے ذریعہ نہیں پہچانا جا سکتا اس لئے انسان کو وحی اور علوم دینیہ کی قدر و منزلت کرنی چاہیئے جس کی بنیاد تمام تر وحی پر ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ شریعت کی قدر و منزلت کرنی چاہیئے۔

حضرت مجدد آگے چل کر واضح کرتے ہیں کہ

"دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے۔ اتحاد و حلول کی تمام تقریریں، الحاد ہیں جو سالک کی باطنی، غلط فہمی سے

---

[۱] - ایضاً - ص ۶

Marfat.com

پیدا ہوتی ہیں :[1]

اقبال بھی اتحاد و حلول کے قائل نہیں ، اسی لئے وہ "خودی" پر زور دیتے ہیں اور "وحی" کو معیارِ سیرت سمجھتے ہیں جس طرح حضرت مجدد سرہندی نے "وحی" کی اہمیت پر زور دیا ہے ، اقبال نے بھی اس پر شدت کے ساتھ زور دیا ہے چنانچہ ضرب کلیم میں کہتے ہیں :-

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات
فکر بے نور ترا جذبِ عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تارِ حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

اقبال کے نزدیک بغیر وحی کے حلال و حرام اور خوب و ناخوب کی تمیز ناممکن ہے اور بغیر اس تمیز کے زندگی ، زندگی ہی نہیں ۔ تمام ترقیات کا دارومدار اسی امتیاز پر ہے ۔ عقل پر بھروسہ کیا جائے تو وہ خود تہی دست ہے ، ہاں زندگی ہی جب خود اسرارِ حیات واشگاف نہ کر دے مشکلیں آسان نہیں ہو سکتیں ۔ اس لئے "وحی" کی سخت ضرورت ہے ، اور پھر شریعت کی بھی کہ اس کا مدار وحی پر ہے ۔ یہی حضرت مجدد کا نظریہ ہے ، اور یہی اقبال کا ، اسی لئے اقبال کو ان کا تصوف پسند ہے جس کی اصل حجازی ہے ۔ خلیفہ عبدالحکیم مرحوم لکھتے ہیں :-

> وہ رومی کا مرید ہے لیکن محی الدین ابن عربی کا مخالف ہے ، جس کی کتاب فصوص الحکم میں اس کو توحید سے زیادہ الحاد نظر آتا ہے ۔ بڑی عقیدت سے مجدد الف ثانی کے تصوف کا قائل ہے جس نے تصوف کو دوبارہ شریعت اسلامی سے ہم آغوش کرنے کی کوشش کی[2]

---

1. THEODRE DE BARY: SOURCES OF INDIAN TRADITIONS, NEW YORK.

2. خلیفہ عبدالحکیم : فکرِ اقبال ، مطبوعہ لاہور ، صفحہ ۳۴۶

Marfat.com

وجودیت ، ظلیت ، عبدیت

مشائخ طریقت کو حضرت مجدد الف ثانی نے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل خود موصوف کے الفاظ میں یہ ہے ۔

۱ ۔ طائفہ اولی قائل اند بآنکہ عالم بایجاد حق سبحانہ ، در خارج موجود است و ہرچہ در دست از اوصاف و کمال ہمہ بایجاد حق است سبحانہ ، و خود را ہیچ بیش نمی دانند بلکہ ہیچیت ہم از دست عز شانہ ، در بحر نیستی چناں گم می گردند کہ نہ از عالم خبر دارند و نہ از خود ۔

۲ ۔ طائفہ دیگر عالم را ظل حق سبحانہ ، می دانند ۔ اما قائل اند بآنکہ عالم در خارج موجود ست ۔ لیکن بطریق ظلیت نہ بطریق اصالت ۔ و وجود اینہا قائم بوجود حق است سبحانہ ، کَقِیَامِ الظِّلِّ بِالْاَصْلِ ۔

۳ ۔ طائفہ ثالث قائل اند بوحدت وجود یعنی در خارج یک موجود ست و بس ۔ و آں ذات حق است سبحانہ ، و عالم را در خارج اصلاً تحقق نیست ۔ ثبوت علمی دارند می گویند اَلْاَعْیَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ[1]

گویا طائفہ اولی "عبدیت" کا قائل ہے ، طائفہ ثانی "ظلیت" کا اور طائفہ ثالث "وجودیت" کا ۔ حضرت مجدد نے ان تین گروہوں کو بیان کرکے ان پر تبصرہ بھی فرمایا ہے چنانچہ طائفہ ثالث کے متعلق فرماتے ہیں :-

ہرچند ایں طائفہ واصل و کامل اند ۔۔ ۔۔ ۔۔ اما خلق را سخنان اینہا بضلالت و الحاد رہنمونی کرد و بزندقہ رسانید[2]

اقبال نے فصوص الحکم (ابن العربی) کے مطالعہ کے بعد ہی لکھا ہے کہ اس میں الحاد و زندقہ کے علاوہ کچھ نہیں ، گویا عارف کے علاوہ وحدۃ الوجود کی حقیقت کو کوئی نہیں پاسکتا جس طرح اقبال نہ پاسکے ۔

---

[1] ۔ شیخ احمد : مکتوبات شریف جلد اول ، مکتوب نمبر ۱۶۰ ، ص ۳۶-۳۷

[2] ۔ مکاتیب اقبال جلد اول ، ایضاً ص ۳۸-۳۹

Marfat.com

طائفہ ثانی کے لئے فرماتے ہیں :۔

وطائفہ ثانیہ ہر چند ایں مراتب راہم از مبدأ جدا دیدند و بکلمۂ "لا" در آوردہ نفی آں نمودند اما بواسطہ ظلیت واصالت یک چیزے از بقایائے وجود ایں ہا ثابت ماندچہ ربط ظل را باصل رشتہ تعلق بسیار قوی است۔ ایں نسبت از نظر شاں محو شد[1]

طائفہ اولیٰ کے لئے فرماتے ہیں :۔

"طائفہ اولیٰ اکمل واتم اند واسلم و اوفق بکتاب وسنت۔"[2]

پھر فرماتے ہیں :

اما طائفہ اولیٰ بواسطہ کمال مناسبت ومتابعت حضرت رسالت خاتمیہ علیہ من الصلوات انمہا ومن التحیات اکملہا جمیع مراتب ممکن را از واجب جدا ساختند وہمہ را تحت کلمہ "لا" در آوردہ نفی نمودند وممکن را با واجب ہیچ مناسبتے ندیدند وہیچ نسبت را باو اثبات نکردند وخود را غیر از عبید مخلوق غیر مقدور نشناختند واو را عز شانہ، خالق ومولائے خود دانستند۔ خود را مولا دانستن و یا ظل او انگاشتن بریں بزرگواراں بسیار گراں ودشواری آید ما للتراب و رب الارباب[3]

پھر آگے فرماتے ہیں۔

ایں طائفہ علیہ را از مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت ست بہرہ تمام ست وکرام دلیل بر صحت حال ایں برگزیدگان از یں تمام تر است۔ کہ تمام کشوف ایشاں موافق کتاب وسنت وظاہر شریعت است وسر موئے از ظاہر شریعت مخالف۔۔۔ بریشاں راہ نیافتہ است[4]

متصوفہ کے مندرجہ بالا گروہوں کی تقسیم اور ان پر تبصرے کے بعد اپنے ارتقائے سلوک

---

1 ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۳۸ ۔ نمبر ۷۷
2 ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۳۸ نمبر ۷۷
3 ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۳۹
4 ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۳۹

Marfat.com

کا حال تحریر فرماتے ہیں کہ مقام وجودیت سے ترقی کر کے مقام ظلیت پر پہنچے پھر وہاں سے ترقی کر کے مقام عبدیت پر سرفراز ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

۱۔ اول معتقد توحید (وجودی) بود، از زمان صبی علم ایں توحید داشت و بیقین پیوستہ بود ہر چند حال نداشت و چوں دریں راہ در آمد اول راہ توحید منکشف شد و مدتے در مراتب ایں مقام جولاں نمود۔

۲۔ بعد از مدتے نسبت دیگر بریں درویش غلبہ آورد۔ در غلبہ آن در توحید توقف نمود اما این توقف بحسن ظن بود نہ بہ انکار، مدتے متوقف بود، آخرالامر کار بانکار انجامید ونمودند کہ این پایہ پایان است رخت مقام ظلیت برد۔ اما دریں انکار بے اختیار بود ونمی خواست کہ از آن مقام برآید بواسطہ آن کہ مشائخ عظام بآن مقام اقامت دارند وچوں بمقام ظلیت رسید وخود را و عالم را ظل یافت، چناں کہ طائفہ ثانیہ بآں قائلند، آرزوئے آں شد کہ کاشکے ازیں مقام نبرند کہ کمال در وحدت وجودی دانست وایں مقام فی الجملہ با و مناسبت دارد۔

۳۔ اتفاقاً از کمال عنایت و غریب نوازی از آں مقام ہم بالا بردند و بمقام عبدیت رسانیدند ایں زمان کمال ایں مقام در نظر آمد وعلو آں واضح گشت، واز مقامات گزشتہ تائب و مستغفر شد۔ [1]

اقبال نے اسی مقام کے لئے تو کہا ہے۔

مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے بھی حضرت مجدد کے ارتقائے سلوک کے ان مدارج کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

ارتقائے سلوک میں تین مدارج ہیں یعنی وجودیت، ظلیت اور عبدیت۔ پہلے مقام پر انہیں وحدت وجود کا کشف حاصل ہوتا ہے ـــــ اس کے بعد وہ مقام ظلیت پر پہنچتے ہیں۔ یہ ایک درمیانی منزل ہے، یہاں اللہ پر منکشف ہوتا

---

[1] ۔ ایضاً۔ ص ۔ ۳۹، ۴۰

Marfat.com

ہے کہ عالم کا اپنا وجود علیحدہ ہے اگرچہ یہ صرف ظل یا عکس یا ایک پرتو ہے حقیقت کا۔ اللہ اصل ہے۔ یہاں ایک ادراک اثنینیت کا پیدا ہو جاتا ہے ـــــ اس مقام سے گزرنے میں ان میں تامل تھا۔ اسی اثنا میں بہر کیف انہیں اس مقام سے عروج ہوتا ہے۔ اور وہ مقام عبدیت پر فائز ہو جاتے ہیں۔ جو اعلیٰ ترین مقام ہے۔ عبدیت پر پہنچ کر عالم اور خدا کی اثنینیت ان پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔[۱]

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے علامہ کا نظریہ "خودی" حضرت مجدد کے "تصور عبدیت" پر مبنی ہے۔ ابوسعید نور الدین نے اقبال کے تصور خودی کے مآخذ پر بحث کرتے ہوئے ان چار عناصر کا ذکر کیا ہے :ـ

۱۔ قرآن مجید۔

۲۔ حدیث پاک۔ (من عرف نفسہ فقد عرف نفسہ)

۳۔ مولانا روم۔

۴۔ مجدد الف ثانی کا نظریۂ عبدیت۔

اس کے بعد لکھا ہے :ـ

حضرت مجدد الف ثانی کے اس نظریہ عبدیت سے انسانی خودی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ اقبال انکے اس نظریہ سے متاثر ہوئے، اسی تاثر کی بنا پر وہ ان کی طرف اشارہ کرکے خدا سے التجا کرتے ہیں :ـ

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

---

[۱] ۔ برہان احمد فاروقی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۰ء، ص ۸۹ ـ ۹۰۔

Marfat.com

(۷)

وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور مغربی مفکرین

اقبال کے سامنے تین اہم نظریات تھے۔ وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور تیسرا جدید نظریہ فوق البشر۔ نظریہ وحدۃ الوجود میں ذات حق پر اس شدت سے اصرار ہے کہ وجود عبد فنا ہو جاتا ہے۔ اور تصور فوق البشر میں ذات عبد پر اس شدت سے اصرار ہے کہ ذات حق فنا ہوئی جاتی ہے۔ لیکن اس افراط و تفریط کے درمیان ایک تیسرا نظریہ ہے وحدۃ الشہود، جو ذات حق اور ذات عبد دونوں پر اصرار کرتا ہے اور دونوں کی انفرادیت کا قائل ہے، ایک واجب الوجود دوسرا ممکن الوجود۔

اقبال نے حضرت مجدد کے تصور "عبدیت" یا وحدۃ الشہود سے متاثر ہو کر نطشے پر سخت تنقید کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ اے کاش نطشے حضرت مجدد کے عہد مبارک میں ہوتا تو وہ مقام عبدیت سے اس کو روشناس فرماتے۔

جاوید نامے میں اقبال، نطشے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

راہ رو را کس نشان از رہ نداد
صد خلل در واردات او فتاد

عاشقے در آہ خود گم گشتۂ
سالکے در راہ خود گم گشتۂ

مستی او ہر زجاجے را شکست
از خدا ببرید و ہم از خود گسست

خواست تا بیند بچشم ظاہری
اختلاط قاہری با دلبری

خواست تا از آب و گل آید بروں
خوشۂ کز کشت دل آید بروں

آں چہ او جوید مقام کبریاست
ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست

زندگی شرح اشارات خودی است
لا و الا از مقامات خودی است

او بہ "لا" درماند و تا "الا" نرفت،
از مقام "عبدہ" بیگانہ رفت

چشم او جز رویت آدم نخواست
نعرۂ بے باکانہ زد "آدم کجاست"؟

Marfat.com

کاش بودے درزمانِ احمدے ؏ تارسیدے بر سرورِ سرمدے ٭

فرماتے ہیں کہ نٹشے مقام "لا" پرہی ٹھہر گیا اور مقام "الا" کی طرف نہیں بڑھا، اسی لئے وہ مقامِ عبدیت سے بیگانہ وار گزر گیا۔ اس کی آنکھ نے انسان کے علاوہ اور کچھ نہ دیکھا، اسی لئے اس نے بے باکانہ نعرہ لگایا کہ "فوق البشر" کہاں ہے؟ آخر میں فرماتے ہیں کہ اے کاش نٹشے (شیخ احمد مجدد الف ثانی) کے زمانے میں ہوتا تو وہ اس کے اضطراب کو سرورِ سرمدی سے بدل دیتے اور وہ مقامِ عبدیت سے آگاہ ہو جاتا۔

اقبال نے خطبات میں بھی نٹشے پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ گو اس میں روحانی صلاحیتیں موجود تھیں لیکن چونکہ اس نے شوپنہاور، ڈارون اور لانگے کو اپنا پیرو مرشد بنا یا تھا، اس لئے وہ گمراہ ہو گیا۔ کاش اسکو کوئی مرشد کامل ملتا اور وہ اس کی رہنمائی کر سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

> جدید یورپ میں نٹشے، جس کی زندگی اور سرگرمیوں سے کم از کم ہم اہل مشرق کے نزدیک تو نفسیات مذہب کی رو سے بڑے دلچسپ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، خلقی طور پر اس قابل تھا کہ اس کام کا بیڑا اٹھا سکے۔ اس کے دل و دماغ کی سرگزشت پر نظر ڈالئے تو مشرقی تصوف کی تاریخ میں اس قسم کی اور بھی مثالیں مل جائیں گی۔ بیشک نٹشے نے اپنے اندر عالم لاہوت کی ایک جھلک دیکھی اور وہ ایک حکم قطعی بن کر اس کے سامنے آئی۔ ہم اس کو حکم قطعی ہی کہیں گے۔ کیونکہ یہی جھلک تھی جس کی بدولت اس میں ایک پیغمبرانہ ذہنیت پیدا ہو گئی۔ وہ ذہنیت جو اس قسم کی تجلیات کو کسی نہ کسی طرح زندگی کی مستقل قوتوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ لیکن نٹشے کو بجز ناکامی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ اس لئے کہ اس کے روحانی اسلاف میں شوپن ہاوئر، ڈارون اور لانگے ایسی ہستیاں شامل تھیں اور یہ انہیں کا اثر تھا کہ نٹشے ان تجلیات و مشاہدات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ نہ کر سکا۔ بجائے اس کے کہ وہ کسی ایسے روحانی اصول کی

٭ - اقبال؛ جاوید نامہ، مطبعہ لاہور، ۱۹۴۷ء - ص ۱۴۷-۱۴۸

Marfat.com

جستجو کرتا جس سے ایک عامی کے اندر بھی روحانیت کی دنیا بیدار ہو جاتی ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ ایک لامتناہی مستقبل اس کے سامنے ہے، نتیجے یہ سمجھا کہ اس نے جس عالم کی جھلک دیکھی ہے اس کا اظہار ہوگا تو انتہائی امارت پسندی کے کسی نظام کی شکل میں۔ جب ہی تو میں نے کہا ہے ــــــ

آنچہ از جوید مقام کبریاست
ایں مقام از علم و حکمت ماوراست
خواست تا از آب و گل آید بروں
خوشۂ کز کشت دل آید بروں

یوں ایک بڑا ذہین و فطین انسان ضائع ہو گیا۔ اور زندگی کی وہ جھلک بھی لاحاصل ثابت ہوئی جس کے لئے وہ صرف اپنی اندرونی قوتوں کا مرہونِ منت تھا محض اس لئے کہ اسے کوئی مرشد کامل نہ ملا جو اس کی رہنمائی کرتا۔[۱]

اسی لئے تو فرماتے ہیں :۔

کاش بودے در زمان احمدے
تا رسیدے بر سرورے سرمدے

اقبال نے اپنے مولہ بالا لیکچر میں سوئٹزرلینڈ کے فلسفی سی۔جی یونگ (C. G. JUNG) پر بھی تنقید کی ہے جس سے نظریہ عبدیت کی مزید تشریح ہوتی ہے۔ اقبال اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "مذہبی زندگی کی اساس ہمارا یہ ادراک ہے کہ خودی کی وحدت کو..... پھر سے تعمیر کیا جا سکتا ہے اور اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر ماحول میں ...... جیسے مواقع چاہے پیدا کر لے :

یونگ پر تنقید کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں :۔

لیکن اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یونگ کچھ بھی نہیں سمجھا۔ بات یہ ہے کہ جنسی ضبط نفس، خودی کی تربیت کا اولین مرحلہ ہے اور اس لئے مذہب چاہتا ہے

---

[۱] ۔ محمد اقبال، تشکیل جدید الہیات (ترجمہ اردو از نذیر نیازی مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء) ص ۳۰۱ - ۳۰۲)

Marfat.com

اس نشوونما کو اس راستے پر ڈال دے، جس کا تعلق خودی کی تقدیر اور مستقبل سے ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت صرف اس امر تک محدود نہیں کہ جس ماحول میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں ہماری حیات اجتماعیہ کا تار و پود اخلاقی اعتبار سے محفوظ ہے۔ مذہبی زندگی کی بنیاد ہمارا یہ ادراک ہے کہ خودی کی وحدت کو جو یوں دیکھنے میں بڑی نازک اور ناپائیدار نظر آتی ہے، اور جسے ہر لحظہ ہلاکت اور فنا کا خدشہ ہے، پھر سے تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر ماحول میں، خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہیں، زیادہ سے زیادہ آزادی سے کام لیتے ہوئے، جیسے مواقع چاہے پیدا کر لے۔ یہ ادراک ہے جس کے ماتحت اعلیٰ مذہبی زندگی میں ہماری نگاہیں محسوسات و مدرکات کی اس نوع کی طرف منعطف ہو جاتی ہیں جن سے حقیقت کی بعض بڑی نازک حرکات کا سراغ ملتا ہے۔ اور جو اس پہلو سے کہ خودی حقیقت کی ترکیب میں ایک دوامی عنصر بن جائے، اس لحاظ سے دیکھئے تو نفسیات حاضرہ نے مذہبی زندگی کا گویا قشر تک نہیں چھوا۔ وہ اس تنوع اور گوناگونی سے بالکل بے خبر ہے جو مذہبی واردات اور مشاہدات میں پائی جاتی ہے۔[۱]

مذہبی زندگی کے اساسی امور کی وضاحت اور نفسیات حاضرہ پر تنقید کے بعد اقبال سترھویں صدی عیسوی کے جلیل القدر صوفی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے تصورات و نظریات، اور مشاہدات و تجربات کا جائزہ لیتے ہیں اور ساتھ ہی اس حقیقت کا اظہار کر دیتے ہیں کہ نفسیات حاضرہ میں ان مصطلحات کا ابتک وجود نہیں جن کے ذریعہ حضرت مجدد کے روحانی تجربات کو بیان کیا جا سکے۔ گویا ان کے نزدیک حضرت مجدد اپنے زمانے سے کہیں آگے جا چکے تھے۔ وہ اس منزل تک پہنچ چکے تھے جس کی گرد تک نفسیات حاضرہ کی رسائی نہیں۔ چنانچہ واردات روحانی کے تنوع کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

---

[۱] ۔ محمد اقبال: تشکیل جدید الہٰیات، ص ۲۹۷ - ۲۹۸

Marfat.com

"تھوڑا بہت اندازہ شاید آپ سترھویں صدی کے ایک بہت بڑے مرشد کامل[ٗ]
حضرت شیخ احمد سرہندی کی ایک عبارت سے کر سکیں گے۔ انہوں نے اپنے زمانے
کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک و عرفان
کا ایک طریق وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوئے وہ
یا تو وسط ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے۔ مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس
نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جو اب بھی پنجاب
افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود
ہے۔ البتہ جہاں تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں
نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کر سکوں۔ کیونکہ
اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں لیکن میرا مقصد چونکہ سردست صرف اتنا ہے کہ
آپ کی توجہ مذہبی واردات کے اس تنوع اور گوناگونی کی طرف منعطف کرا دوں جن
سے ایک سالک راہ کو گزرنا پڑتا ہے اور جن کی چھان بین اس لئے ضروری ہے
لہٰذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لئے معذور سمجھیں جن کا تعلق ایک دوسری
سرزمین اور ایک ایسی نفسیات مذہب سے ہے جس نے تہذیب و تمدن کی
ایک سرتاسر مختلف فضا میں پرورش پائی تھی۔ اور جو وضع ہوئیں تو اس
کے زیر اثر، لیکن جن میں پیچ در پیچ معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ بہرحال اب
میں شیخ موصوف کی عبارت پیش کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ جب عبدالمومن نامی ایک ارادت مند نے اپنے مندرجہ ذیل مشاہدے
اور تجربے کا حال شیخ موصوف سے بیان کیا ہے

"میرے لئے نہ تو ارض و سماوات کا وجود ہے، نہ عرش الٰہی کا، نہ جنت اور

ٗ۔ نذیر نیازی نے "GENIUS" کا ترجمہ مرشد کامل کیا ہے اس لفظ میں جو معنویت ہے وہ "مرشد کامل"
میں نہیں۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے اس کا ترجمہ "روح عصر" کیا ہے جو ایک حد تک اصل معنی
سے قریب ہے۔ مسعود

دوزخ کا۔ میں اپنے ارد گرد نظر ڈالتا ہوں تو ان کو کہیں نہیں دیکھتا۔ میں جب کسی کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے کوئی نظر نہیں آتا، بلکہ میں اپنا وجود بھی کھو دیتا ہوں۔ ذات الٰہیہ لامتناہی ہے۔ کوئی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا یہی منتہا ہے روحانی مشاہدات کا۔ کسی ولی کا گزر اس سے آگے نہیں ہوا۔"

تو اس پر شیخ نے فرمایا :۔

"میرے سامنے جو مشاہدات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا تعلق قلب کی ہر لحظہ بدلتی ہوئی زندگی سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مشاہدات نے قلب کے لاتعداد مقامات میں سے ابھی ایک چوتھائی بھی طے نہیں کئے۔ ان مقامات کا طے کرنا ضروری ہے۔ تاکہ عالم روحانیت کے مقام اول کے مشاہدات کی تکمیل ہو جائے۔ اس مقام کے بعد اور بھی کئی مقامات ہیں بشلاً روح کا مقام سرِ خفی اور سرِ اخفیٰ کے مقامات ان سب مقامات کے جن کو مجموعاً ہم اپنی اصطلاح میں عالم امر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اپنے اپنے احوال اور واردات ہیں جب سالک کا گزر ان مقامات سے ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ اس پر اسمائے الٰہیہ اور صفات الٰہیہ کی تجلی ہوتی ہے۔ بالآخر ذات الٰہی کی۔"

شیخ موصوف نے ان ارشادات میں جو امتیازات قائم کئے ہیں۔ ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس "مصلح عظیم" کی نگاہوں میں ہمارے اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ان بے مثال واردات اور مشاہدات سے پہلے، جو وجود حقیقی کا مظہر ہیں، عالم امر یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم رہنما توانائی کی دنیا کہتے ہیں، ہم نے اسی لئے تو کہا تھا کہ نفسیات حاضرہ کا قدم ابھی مذہبی زندگی کے قشر تک نہیں پہنچا[1]

اقبال نے عبدالمومن کا جو بیان نقل کیا ہے وہ موصوف کا نہیں ہے بلکہ یہ شیخ ادریس سامانی نے اپنے واردات و مشاہدات قلبیہ، عبدالمومن کی زبانی حضرت مجدد سے کہلوائے

---

[1] - محمد اقبال: تشکیل جدید الٰہیات، ص ۲۹۸ - ۳۰۰

Marfat.com

تھے جس کا جواب شیخ موصوف نے تحریری صورت میں ارسال فرمایا۔

یہ مکتوب نمبر ۲۵۷ مکتوبات شریف کی جلد اوّل میں شامل ہے۔ اس میں حضرت مجدد نے پہلے ادریس سامانی کے مشاہدات نقل کئے ہیں۔ اور پھر ان پر جرح و تنقید کی ہے۔ حضرت مجدد نے قلب کے جن مقامات کا ذکر کیا وہ اس ترتیب سے ہیں، روح، ستر، خفی۔ اخفی۔ گویا قلب سمیت پانچ مقامات ہیں۔ مگر اقبال نے روح۔ سرِ خفی۔ سرِ اخفی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

اس کے علاوہ اقبال نے حضرت مجدد کا جواب جس انداز سے نقل کیا ہے وہ من وعن نہیں ہے بلکہ اصل مکتوب کا خلاصہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں یہ مکتوب نقل کر دیا جائے جس کی طرف اقبال نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا ہے۔

بنام شیخ ادریس سامانی

بیان احوال و مواجید کہ بلسان مولانا عبدالمومن حوالہ نمودہ بودند و استفسار جواب آن فرمودہ۔ مولانا بتفصیل ہمہ را وانمود و گفت کہ فرمودہ اند (شیخ ادریس) کہ "اگر بجانب زمین نظر می کنم زمین را نمی یابم و اگر بجانب آسمان نظر می اندازم آن را نیز نمی یابم و ہم چنین عرش و کرسی و بہشت و دوزخ را نیز وجود نمی یابم۔ و پیش کسے کہ می روم او را نیز وجود نمی یابم و خود را نیز موجود نمی دانم و وجود حق جل شانہ بے پایان ست، نہایت او را ہیچ کس نیافتہ است۔

و بزرگان نیز تا ہمیں جا گفتہ اند۔ و تا ایں جا آمدہ از سیر ماندہ شدہ اند و زیادہ براین معنی اختیار نمودہ اند: اگر شما نیز ہمیں را کمال می دانید و در ہمیں مقامید پس ما پیش شما برائے چہ بیائیم و تصدیع بکشیم و تصدیع بدہیم۔ و اگر امرے دیگر ورائے ایں کمال است پس اعلام بخشند تا مدیارِ دیگر کہ و سعد طلب بسیار دارد آں جا بیم چندیں سال توقف ورد آمدن بواسطہ حصول ایں تردد بودہ۔ مخدوما: ایں احوال و افعال ایں احوال از تلوینات قلب ست مشہود می گردد کہ صاحب ایں احوال از مقامات قلب زیادہ از ربعے طے نکردہ است سہ حصہ دیگر از مقامات قلب طے باید کرد تا معاملہ قلب را تمام طے کردہ باشد از گذشت قلب، روح است،

Marfat.com

وازگذشت روح ، سراست وازگذشت سر، خفی است بعد ازاں اخفی ، ہر کدام ازیں چہار باقی ماندہ احوال و مواجید علاحدہ دارد ۔ ہمہ را جدا جدا طے باید کرد ۔ و بکمالات ہر کدام تحلی باید شد ۔ ازگذشت ایں پنجگانۂ عالم امر وطے منازل اصول آں ہا مرتبۂ بعد مرتبۂ وقطع مدارج ظلال اسماء و صفات کہ اصول ایں اصول است درجۂ بعد درجۂ تجلیات اسماء و صفات است و ظہورات شیون واعتبارات ازگذشت ایں تجلیات ، تجلیات ذات است تعالیٰ وتقدس ۔ ایں زماں معاملہ با طمینان نفس می افتد و حصول رضائے پروردگار جل سلطانہ میسر می آید ۔ کمالاتیکہ دریں موطن حاصل می گردد و در جنب ایں کمالات ، کمالات سابق حکم قطرہ دارد در جنب دریائے محیط بیکراں ۔

۱۹۳۲ء میں لندن میں ارسطاطالیسی سوسائٹی کی دعوت پر اقبال نے جو لیکچر دیا تھا اس میں حضرت مجدد کے افکار وخیالات کو اہل انگلستان کے سامنے پیش کیا ۔ یہ لیکچر اقبال کے مشہور مجموعہ خطبات RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM کا ساتواں خطبہ ہے جس میں اقبال نے حضرت مجدد کی تعلیمات سے یورپ کو روشناس کرایا ۔

غلام رسول مہر نے ۱۲ جولائی ۱۹۶۳ء کو لاہور میں راقم سے فرمایا تھا کہ ۱۹۳۱ء میں سفر انگلستان میں اقبال کے ساتھ وہ بھی شریک و رفیق سفر تھے ۔ موصوف نے فرمایا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ علامہ نے روما میں RELIGIOUS EXPERIENCES پر ایک تقریر کی تھی ۔ پھر جب مصر پہنچے تو وہاں بھی قریب قریب یہی تقریر دہرائی تھی اور ان دونوں تقریروں میں علامہ نے حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر فرمایا تھا ۔ راقم کے خیال میں اقبال پہلا شخص ہے جس نے حضرت مجدد کے فلسفے اور تعلیمات سے یورپ کو روشناس کرایا ۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اہل ہند کو بھی تعلیمات مجددیہ سے اقبال نے ہی روشناس کیا ۔ غلام رسول مہر نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علامہ اقبال نے بارہا فرمایا کہ ہندوستان کے صوفیہ میں حضرت مجدد الف ثانی ، علماء میں شاہ ولی اللہ اور شاہوں میں اورنگ زیب علیہم الرحمۃ یگانہ ہیں ۔

Marfat.com

اس میں شک نہیں کہ اقبال حضرت مجدد سے نہ بے حد متاثر تھے۔ اور جس لیکچر کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اس میں حضرت مجدد کے ہی روحانی تجربات اور مشاہدات کا جائزہ لیا ہے اور یورپ کے فلاسفہ سے اس کا تقابل کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

آئین اسٹائن کے تصورات کائنات سے، جو اس نے ریاضیات کے نقطۂ نظر سے قائم کیا، گویا اس عمل جس کی ابتداء ہیوم نے کی تھی، تکمیل ہو گئی۔ جیسا کہ ہیوم کی تنقید کا تقاضہ تھا، اس نظریے نے قوت کے تصور کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ کچھ ایسے ہی تجزیئے کا (جیسا کہ اس جلیل القدر ہندی صوفی کے ارشادات سے، جن کو ہم نے ابھی پیش کیا تھا، ظاہر ہوتا ہے) وہ شخص بھی آرزو مند ہے جس کو نفسیات مذہبی سے عملی دلچسپی ہے۔ اس کی حس معروضیت بھی ایسی ہی تیز ہے جیسے سائنس داں کی اپنے حلقہ معروضیت میں۔ وہ بھی ایک مشاہدے کے بعد دوسرے مشاہدے میں قدم رکھتا ہے۔ اس کی حیثیت بھی تماشائی کی نہیں بلکہ ایک ناقد اور مبصر کی ہے، وہ بھی اپنے دائرہ تحقیق کے پیش نظر جن طریقوں سے کام لیتا ہے ان کے اصول و قواعد کے مطابق محسوسات و مدرکات کی چھان بین کرتا اور ہر ایسے عنصر کو، خواہ وہ عضویاتی ہو یا نفسیاتی۔ مگر جس کی نوعیت داخلی ہے، ان کے مشمول سے خارج کر دیتا ہے، کیونکہ اس کی آرزو بھی یہی ہے کہ اس حقیقت تک پہنچے جس کی حیثیت فی الواقعہ معروضی ہے۔ یوں بالآخر وہ اپنا گزر جس تجربے اور ارادے سے کرتا ہے۔ اس سے زندگی کا ایک نیا عمل اس پر منکشف ہوتا ہے، اصلی، اساسی، اولی۔ پھر یہ خودی کا ایک ازلی راز ہے کہ جہاں اس پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا، اسے یہ ماننے میں مطلق تامل نہیں رہتا کہ وہی دراصل اس کی ہستی کی حقیقی اساس ہے[1]

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں :-

---

[1] محمد اقبال، تشکیل جدید الہیات۔ ص

بہر حال یہ تجربہ سرتا سر فطری اور طبعی ہوگا اور حیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو خودی کے لئے سب سے زیادہ اہم۔ کیونکہ یہی اس کا فکر کی حدود سے آگے بڑھنا اور یہی اس کا وجود سرمدی کو اپناتے ہوئے اپنی ناپائیداری کی تلافی کرنا ہے۔ یہاں کوئی خطرہ ہے تو یہ کہ اس انہماک و استغراق میں وہ کہیں اپنی تلاش اور جستجو کا عمل ترک نہ کر دے۔ مشرقی تصوف کی تاریخ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطرہ بے بنیاد نہیں، چنانچہ ہم نے جس ہندی بزرگ کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے ان کی تحریک اصلاح میں یہی نکتہ مضمر تھا اور اس کے وجوہ بھی ظاہر ہیں۔ خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے، بلکہ یہ کہ کچھ بن جائے۔ پھر یہ درحقیقت اس کے بن سکنے ہی کی کوشش ہے جس میں بالآخر اسے موقعہ ملتا ہے کہ اپنی معروضیت کا زیادہ گہرا ادراک پیدا کرتے ہوئے زیادہ عمیق اور مستحکم بنا پر "انا الموجود" کہہ سکے یعنی وہ اپنے وجود کی کنہہ اور اساس کو پالے۔ یہ اس لئے کہ اس کی حقیقت کا انکشاف ہوگا، تو ڈیکارٹ کے "میں سوچتا ہوں" سے نہیں بلکہ کانٹ کے "کر سکتا ہوں" سے۔ خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کی حدود توڑ ڈالے۔ اس کا منتہا ہے اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا۔[1]

اس تقریر سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کے تصور عبدیت سے کتنے متاثر ہیں۔ پیر رومی تو مسلک "انا الحق" سے وابستہ ہیں مگر اقبال مسلک "انا الموجود" سے منسلک ہیں۔ ان کے تصور "خودی" کا منتہا "مقام عبدیت کا تحقق ہے۔ اس لئے کس یقین سے کہتے ہیں:۔

اِک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی

اقبال پیر رومی سے سوال کرتے ہیں:۔

---

[1] ایضاً۔ ص

گفتمش موجود و ناموجود چیست؟
معنی محمود و نامحمود چیست؟

اس کے جواب میں پیر رومی کا ارشاد ہوتا ہے[1] :-

گفت موجود آں کہ می خواہد نمود
آشکارائی تقاضائے وجود

زندگی خود را بخویش آراستن
بر وجود خود شہادت خواستن

انجمن روزِ الست آراستند
بر وجود خود شہادت خواستند

زندہ یا مردہ یا جاں بلب
از سہ شاہد کن شہادت را طلب

شاہد[1] اول شعورِ خویشتن
خویش را دیدن بنورِ خویشتن

شاہد[2] ثانی شعورے دیگرے
خویش را دیدن بنورِ دیگرے

شاہد[3] ثالث شعورِ ذات حق؛
خویش را دیدن بنورِ ذات حق؛

پیش ایں نور را بمانی استوار
حی و قائم چوں خدا خود را شمار

۱۔ نوٹ :- یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال جس کسی کے خیالات و نظریات سے متاثر ہوتے ہیں، اگر وہ شخصیت ان کے نزدیک زیادہ مؤثر نہیں تو پھر ان خیالات کا اظہار کسی مؤثر شخصیت کی زبانی کرتے ہیں یہاں حضرت مجدد کے افکار کو مرشد رومی کی زبانی ظاہر کیا ہے (مسعود)

Marfat.com

بر مقامِ خود رسیدن زندگی ست
ذاتِ را بے پردہ دیدن زندگی ست [1]

شاہدِ اوّل، مقامِ وجودیت سے عبارت ہے۔ شاہدِ ثانی، مقامِ خلّیت سے عبارت ہے، اور شاہدِ ثالث، مقامِ عبدیت سے عبارت ہے، اسی لئے فرماتے ہیں :۔

شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق
خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

ذرہ از کف مدہ تابے کہ ہست
پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست

تابِ خود را بر فزودن خوشتراست
پیشِ خورشید آزمودن خوشتراست

پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش
امتحانِ خویش کن موجود باش

ایں چنیں "موجود" و "محمود" است و بس
ورنہ نارِ زندگی دود است و بس [2]

اقبالؒ نے اپنی ساری تعلیمات کو صرف اس ایک مصرع میں سمو کر رکھ دیا ہے۔

ع امتحانِ خویش کن "موجود" باش

اور موجود رہنا، مقامِ عبدیت ہی سے عبارت ہے۔ اور مقامِ عبدیت پر پہنچنا بغیر شعورِ ذاتِ حق ممکن نہیں۔ اقبالؒ نے معراج سے بھی یہی نکتہ اخذ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

---

[1] ۔ محمد اقبال : جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، ص ۱۳۰

[2] ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۱۵

Marfat.com

مرد مومن در نسازد با صفات
مصطفیٰ راضی نہ شد الا بذات

چیست معراج آرزوئے شاہدے
امتحانے روبروئے شاہدے

شاہد عادل کہ بے تصدیق او،
زندگی مارا چو گل را رنگ و بو،

در حضورش کس نماند استوار
ور بماند ہست او کامل عیار [1]

اور یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے حق تعالیٰ کے حضور میں ثابت قدم رہی جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (سورۂ نجم)

اور یہ استقامت اسی لئے میسر آئی کہ مقام عبدیت کا تحقق ہو چکا تھا۔

اَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی (نجم)

اقبال نے "عبد" اور "عبدہ" میں بڑا نازک فرق بتایا ہے۔ ان کے نزدیک "عبد" ہونا کمال نہیں "عبدہ" ہونا کمال ہے۔ بندے تو سبھی ہوتے ہیں مگر اس کا بندہ ہونا اور محسوس کرنا ہی مقام "عبدیت" ہے۔ اور یہی معراج انسانیت۔ اقبال نے ایک جگہ اپنے مسلک "عبدیت" کا اس طرح اظہار فرمایا ہے:۔

"آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان "عبدیت" انتہائے کمال روح انسانی ہے، اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں۔ [2]

---

[1]۔ ایضاً۔ ص ۔ ۱۴۳

[2]۔ سر اسرار خودی از محمد اقبال، مطبوعہ اخبار وکیل (امرتسر)، ۹ فروری ۱۹۱۶ء بحوالہ مجلہ اقبال (لاہور) اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۔ ۲۵

Marfat.com

من وعن وہی بات ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمائی ہے۔
اقبال نے حسین بن منصور حلاج کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عبدیت
کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود "عبدہ" فرمودہ است
"عبدہ" از فہم تو بالا تر است
زاں کہ او ہم آدم و ہم جوہر ست
جوہر او نے عرب نے اعجم است
آدم است و ہم ز آدم اقدم است
"عبدہ" صورت گر تقدیر ہا
اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا
"عبدہ" ہم جاں فزا ہم جاستاں
"عبدہ" ہم شیشہ ہم سنگ گراں
"عبد" دیگر "عبدہ" چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر
"عبدہ" دہر است و دہر از عبدہ ست
ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست
"عبدہ" با ابتدا و بے انتہا است
"عبدہ" صبح و شام ما کجا است
کس ز سر "عبدہ" آگاہ نیست
"عبدہ" جز سر الا اللہ نیست
لا الہ تیغ و دم او "عبدہ"
فاش تر خواہی بگو "ھو عبدہ"

Marfat.com

"عبدہ" چند و چگون کائنات
"عبدہ" راز درون کائنات

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقام ما رمیت [۱]

ایک جگہ "مردِ حر" کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ما ہمہ عبد فرنگ او "عبدہ"
او نہ گنجد در جہان رنگ و بو

صبح و شام ما بفکر ساز و برگ
آخر ما چیست؟ تلخیہائے مرگ

در جہان بے ثبات او را ثبات
مرگ او را از مقامات حیات

اہل دل از صحبت ما منفعل!
گل ز فیض صحبتش دارائے دل

کار ما وابستہ تخمین و ظن!
او ہمہ کردار و کم گوید سخن

ما گدایاں، کوچہ گرد و فاقہ مست
فقر او از لا الہ تیغے بدست [۲]

اقبال نے حضرت مجدد کے لئے کہا ہے :-

"جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار"

"مردِ حر" کی یہ خوبی ہے کہ وہ "اس کا بندہ" ہو اور جو سالار احرار ہو اس کے کمالات "عبدیت" کا کیا ٹھکانا!

---

[۱] محمد طاہر فاروقی : سیرت اقبال، ص ۳۱۷-۳۱۸

[۲] محمد اقبال: مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۳۶ء، ص ۳۳-۳۴

Marfat.com

ابوسعید نورالدین نے شیخ احمد کے تصورِ عبدیت سے اقبال کی اثر پذیری کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

"شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے اس نقطۂ نظر سے علامہ اقبال بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ وہ اپنی خودی کو فنا کرکے "خدا" یا "انائے مطلق" میں ضم ہو جانے کے ہرگز قائل نہیں اور مقامِ عبدیت یا مقامِ بندگی کو ترک کرکے "شانِ خداوندی" قبول کرنے کے لئے قطعاً راضی نہیں"۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

عطا کن شورِ رومی سوزِ خسرو
عطا کن صدق و اخلاصِ سنائی

چناں با بندگی در ساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

اقبال مقامِ عبدیت کو حیاتِ انسانی میں اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کے عقیدے میں یہ مقامِ عبدیت محکم ہو جائے تو فقیر بادشاہ بن جاتا ہے:۔

چوں مقامِ "عبدہٗ" محکم شود
کاسۂ دریوزہ جامِ جم شود[۱]

---

[۱] ابوسعید نورالدین: "وحدۃ الوجود اور فلسفۂ خودی" مطبوعہ اقبال ریویو کراچی، جولائی ۱۹۶۳ء، ص ۱۱۵

Marfat.com

(۵)

شریعت و طریقت

اقبال نے تکمیل خودی کے لیے تین منزلیں قرار دی ہیں : اطاعت، ضبطِ نفس، نیابتِ الٰہی۔ شریعت منزل "اطاعت" ہے اور یہ بغیر دوسری منزل کے متصور و متحقق نہیں ہو سکتی۔ یہ دوسری منزل یعنی ضبطِ نفس، طریقت ہے اور جب دونوں منزلوں تک رسائی ہو جائے تو پھر آخری منزل نیابت الٰہی ہے،

اسی مقام سے ہے آدم ظلِ سبحانی

حضرت مجدد نے اس آخری مقام کا اپنے مکتوب (بنام خواجہ محمد معصوم) میں اس طرح ذکر فرمایا ہے :-

"عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ عرصۂ دراز کے بعد کسی خوش نصیب کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل عطا فرماتے ہیں، یعنی اپنی ذات مقدس کا ایک نمونہ اس کو عنایت فرماتے ہیں اور اس کا قیام اب ذات کے ساتھ ہو جاتا ہے ـــــ یہاں پہنچ کر انسانی کمالات ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کی خلافت کا راز متحقق ہو جاتا ہے یعنی اس مقام پر انسان خلیفۃ اللہ بن جاتا ہے۔ [۱]

بہر کیف اقبال نے حضرت مجدد کے مشن یعنی "وحدت شریعت و طریقت" کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلامی سیرت کی تعمیر اسی طرح ممکن ہے۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

مجدد الف ثانی، عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیاء کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب

۱۔ احمد سرہندی، مکتوبات شریف جلد سوم۔ مکتوب (۸۰) بحوالہ انوارِ مجددیہ از یوسف سلیم چشتی بلبو مرا لاہور ۱۲۱ ؎

Marfat.com

نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں، صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں، قوت عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوق خداداد کے ساتھ قوت عمل بھی رکھتا ہو مل جائے جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر سکوں۔" [۱]

اکبر بادشاہ کے زمانے میں صوفیاء میں یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ شریعت و طریقت دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ حضرت مجدد نے اس خیال کی پر زور تردید کی کیوں کہ اس خیال نے ان صوفیائے خام کو تکلیفات شرعیہ سے غافل کر دیا تھا اور عوام ان کی پیروی میں گمراہ ہو رہے تھے۔ چنانچہ سید احمد قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں۔ حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔ ان میں صرف اجمال و تفصیل، استدلال و کشف، غیب و شہادت اور تعمل اور عدم تعمل کا فرق ہے۔ وہ احکام و علوم جو شریعت غرا کی روشنی میں ظاہر و معلوم ہو گئے ہیں حقیقت حق الیقین کے تحقق کے بعد یہی احکام و علوم بعینہا مفصل طور پر منکشف ہوتے ہیں ____ اگر ان دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حقیقت الحقائق تک ابھی رسائی نہیں ہوئی۔" [۲]

حضرت مجدد کا یہ فرمانا کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، مسلک اقبال کا بھی آئینہ دار ہے۔ اقبال حضرت مجدد کے اس نظریہ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی طریقت کو عین شریعت سمجھا اور اس پر خاص زور دیا۔ چنانچہ مثنوی ____ پس چہ

---

[۱] عطاء اللہ : اقبال نامہ، جلد دوم، مکتوب ۱۹، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۱ء

[۲] احمد سرہندی : مکتوبات شریف، جلد اول، حصہ دوم، مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۳ھ، مکتوب ۸۴، صفحہ ۷۸

Marfat.com

باید کرد اے اقوام شرق" میں "در اسرار شریعت" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں :-

آدمی اندر جہان خیر و شر — کم شناسد نفع خود را از ضرر
کس نداند زشت و خوب کار چیست — جادۂ ہموار و ناہموار چیست
شرع برخیزد ز اعماق حیات — روشن از نورش ظلام کائنات
گر جہاں داند حرامش را حرام — تا قیامت پختہ ماند ایں نظام
نیست ایں کار فقیہاں اے پسر — با نگاہے دیگرے او را نگر
حکمتش از عدل ست و تسلیم رضاست — بیخ او اندر ضمیر مصطفیٰ ست
از فراق است آرزوہا سینہ تاب — تو نمانی چوں شود او بے حجاب
از جدائی گرچہ جاں آید بلب — وصل او کم جو، رضائے او طلب
مصطفیٰ داد از رضائے او خبر — نیست در احکام دیں چیزے دگر
تخت جم پوشیدہ زیر بوریاست — فقر و شاہی از مقامات رضاست
حکم سلطان گیرد از حکمش نہال — روز میدان نیست روز قیل و قال
تا توانی گردن از حکمش مپیچ — تا نہ پیچد گردن از حکم تو ہیچ

از شریعت احسن التقویم شو
وارث ایمان ابراہیم شو[1]

مندرجہ بالا نظم میں یہ مصرعے قابل غور ہیں کہ ان میں شریعت و طریقت دونوں کا حاصل موجود ہے۔

۱۔ با نگاہے دیگرے او را نگر
۲۔ وصل او کم جو، رضائے او طلب
۳۔ فقر و شاہی از مقامات رضاست

اقبال اسی مثنوی میں "طریقت" کے متعلق فرماتے ہیں :-

۱۔ اقبال : مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۳۸ - ۴۰

Marfat.com

پس طریقت چیست اے والا صفات — شرع را دیدن با عماق حیات
فاش می خواہی اگر اسرار دین — جز بہ اعماق ضمیر خود مبین
گر نہ بینی، دین تو مجبوری ست — ایں چنیں دیں از خدا مہجوری است
بندہ تا حق را نہ بیند آشکار — بر نمی آید ز جبر و اختیار
تو یکے در فطرت خود غوطہ زن — مرد حق شو بر ظن و تخمین متن
تا بہ بینی زشت و خوب کار چیست — اندر این نہ پردۂ اسرار چیست
ہر کہ از سر نبی گیرد نصیب — ہم بہ جبریل امیں گردد قریب[1]

طریقت کے بارے میں اقبال کا یہ نظریہ کہ "شرع را دیدن بہ اعماق حیات" حضرت مجدد کے تاثرات کی غمازی کر رہا ہے۔

ظفر احمد صدیقی کے نام جو مکتوب اقبال نے تحریر فرمایا تھا اس سے بھی شریعت و طریقت کے متعلق ان کے خیالات کا علم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"بہر حال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکام خودی کے پرائیوٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصد ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے"[2]

حضرت مجدد نے اس کیفیت کو "بقا" سے تعبیر کیا ہے اور یہی اقبال کا مسلک ہے۔ اقبال اقوام عالم کی خودی کو قانون الٰہی کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں اس سے بھی شریعت یا قانون الٰہی کے ہمہ گیر اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک امن عالم کا یہی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] ایضاً، صفحے ۴۰-۱۴۱
[2] عطاء اللہ، اقبال نامہ، جلد اول، مطبوعہ لاہور، مکتوب ۱۰۳، مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحے ۲۰۳-۲۰۴

Marfat.com

"جمعیت اقوام جو زمانۂ حال میں بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانون الٰہی کی پابند نہ ہو امن عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔" [۱]

اقبال نے بزم ارسطو کی فرمائش پر انگلستان میں ایک لیکچر دیا تھا جس کا عنوان تھا۔ "کیا مذہب ممکن ہے؟" اس میں علامہ اقبال موسیقی کو بھی ضمناً زیر بحث لائے ہیں۔ اس لئے کہ موسیقی مختلف اقوام میں مناسک مذہب سے وابستہ رہی ہے نیز اہل روحانیت میں سے کئی رُوح کی بیداری کے لئے اسکو ذریعہ سمجھتے ہیں، مگر اقبال فرماتے ہیں:-

"اسلامی تصوف نے تو اس خیال سے کہ ہمارے مشاہدات میں جذبات کی آمیزش نہ ہونے پائے موسیقی تک کو عبادت میں جگہ نہیں دی۔ بعینہٖ اس نے صلوٰۃ باجماعت پر زور دیا کہ ایسا نہ ہو کہ ہمارے مراقبوں اور ہمارے ذکر فکر سے مصالح جماعت کو نقصان پہنچے۔" [۲]

اس بیان میں اقبال نے تین باتیں پیش کی ہیں۔

ﺍ۔ اسلامی تصوف نے موسیقی کو جزو عبادت قرار نہیں دیا۔

ب۔ اسلامی تصوف جذبات کی آمیزش سے بالاتر عبادت کا خواہاں ہے۔

ج۔ اسلامی تصوف نے نماز باجماعت پر زور دیا ہے۔

موسیقی سے متعلق اقبال کے مندرجہ بالا خیالات حضرت مجدد کے نظریات پر مبنی ہیں۔ یہاں بالترتیب ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ہند و بیرون ہند کے بعض صوفیاء نے سماع مزامیر کو جزو عبادت بنا لیا تھا چنانچہ مولانا جلال الدین رومی جو اقبال کے مرشد روحانی ہیں انہوں نے رقص و پاکوبی و سماع مزامیر کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ خود اس پر عمل کیا۔ مگر ان کے برخلاف ہندوستان میں حضرت مجدد کی شخصیت وہ ہے جس نے موسیقی و سماع کے خلاف

---

[۱] ۔ ایضاً۔

[۲] ۔ محمد اقبال، تشکیل جدید الہٰیات: مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء

Marfat.com

شدت اختیار کی اور یہ بتایا کہ فقہائے اسلام نے اس کو جائز قرار نہیں دیا ، بلکہ ان کے نزدیک یہ حرام ہے ۔ چنانچہ وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

آیات و احادیث فقہیہ در حرمت غنا بسیار است بحدیکہ احصائے آن متعذر است معذالک اگر شخصے حدیث منسوخ یا روایت شاذہ را در اباحت سرود بیارد اعتبار نباید کرد ۔ زیرا کہ ہیچ فقیہے در ہیچ وقتے و زمانے فتویٰ بہ اباحت سرود نداده است و رقص و پاکوبی را مجوز نداشتہ ــــــــ صوفیان خام این وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ ، سرود و رقص را دین و ملت خود گرفتہ اند و طاعت و عبادت ساختہ ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَھْوًا وَّ لَعِبًا ۔ [1]

اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے حضرت مجدد سماع مزامیر اور رقص و پاکوبی کو مقاصد شریعت کے مناسب حال تصور نہ فرماتے تھے ۔ اقبال نے بھی انہیں خیال کا اظہار کیا ہے ۔

اقبال نے حرمت رقص و سرود کی جو حکمت بیان کی وہ یہ ہے کہ عبادت میں جذبات کی آمیزش نہ ہونے پائے ۔ حضرت مجدد نے جو مکتوب ملا احمد کے نام ارسال فرمایا تھا اس میں بھی اسی حکمت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

آپ کی جو پہلے حالت تھی وہ وجد و سماع کی طرح تھی جس کا تعلق جسد سے تھا اور جو حالت اب حاصل ہوئی ہے اس میں جسد کا کوئی حصہ نہیں ، اس کا زیادہ تعلق قلب اور روح کے ساتھ ہے ۔ اس معنی کا بیان تفصیل چاہتا ہے حاصل یہ ہے کہ یہ حالت پہلی حالت سے کئی حصہ بہتر ہے ۔ اور ذوق کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا ذوق و خوشی کے پانے سے بہتر ہے ۔ کیونکہ نسبت جس قدر جہالت و حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو اسی قدر اصل اور مقصد حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے ۔ اس لئے اس مقام میں عجز و جہل

---

[1] ۔ احمد سرہندی ، مکتوبات شریف ، دفتر اول ، مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۷ھ ، مکتوب ۲۶۶ ، ص ۱۳۶

یہ سو کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے، جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور عجز کا نام ادراک رکھتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی، ہاں تاثیر جسدی نہیں رہی۔ لیکن تاثیر روحی زیادہ تر حاصل ہو گئی لیکن ہر شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ [1]

تیسری بات جو اقبال نے بیان فرمائی یہ ہے کہ اسلامی تصوف نے نماز با جماعت کی تاکید کی ہے اور اس نے موسیقی کو مذموم قرار دیا ہے۔ حضرت مجدد کے ایسے بے شمار مکتوبات ہیں، جن میں سماع مزامیر کو مذموم قرار دیتے ہوئے نماز پر زور دیا ہے اور اس کی حکمتوں کو بیان کیا ہے۔ مثلاً ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"از عدم آگاہی حقیقت نماز است کہ جم غفیر ایں طائفہ تسکین اضطراب خود را از سماع و نغمہ و وجد و تواجد جستند و مطلوب خود را در پردہ ہائے نغمہ مطالعہ نمودند لاجرم رقص و رقاصی را دیدنِ خود گرفتند با آں کہ شنیدہ باشند۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً۔ بلے! الغریق یتعلق بکل حشیش وحب الشئی یعمی و یصم ———

اگر شمہ از حقیقت کمالات صلواتیہ بر ایشان منکشف شدے ہرگز دم از سماع و نغمہ نزدندے و یاد وجد و تواجد نہ کردندے۔ [2]

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند [3]

اس میں شک نہیں کہ موسیقی سے متعلق اقبال نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی سے تاثر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ جلال الدین رومی سے۔ کیونکہ جہاں تک موسیقی اور رقص و پاکوبی کا تعلق ہے رومی کا مسلک بالکل جداگانہ ہے۔ وہ اسے مباح

[1] ۔ احمد سرہندی، مکتوب شریف، جلد اول (ترجمہ و تلخیص محمد ہدایت علی) موسوم بہ در لاثانی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۵۰ھ، ص ۱۲۵، مکتوب نمبر ۲۵۰۔

[2] ۔ احمد سرہندی، مکتوبات شریف، جلد اول، مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۷ھ، صفحہ ۹۷، مکتوب نمبر ۲۶۱۔

Marfat.com

سمجھتے ہیں اور بذات خود سماع کے بانی ہیں۔ انقرہ یونیورسٹی کی فاضلہ ڈاکٹر ملیحہ نے عفلقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا رومی نے سرود و نغمہ اور رقص و رقاصی کو داخلِ طریقت کر لیا تھا اور ایسی صلح کل پالیسی اختیار کی کہ مسلم و کافر سبھی ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور اقبال کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روش اس کے بالکل مخالف تھی۔ اگر اس خصوص میں اقبال، رومی سے متاثر ہوتے تو سرود، موسیقی اور رقص پر سخت تنقید نہ کرتے یہ حضرت مجدد کے اثرات ہی ہیں جن کی وجہ سے اقبال نے ان چیزوں کو مذموم قرار دیا۔

اقبال کے کلام کا اہم مجموعہ ضرب کلیم کے نام سے ۱۹۳۵ء میں منظر عام پر آیا۔ بقول یوسف سلیم چشتی اسی سنہ میں اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی کے مزار مبارک کی زیارت کی اور بڑے گہرے اثرات لے کر واپس لوٹے۔ ضرب کلیم میں اقبال نے رقص و موسیقی پر تنقید کی ہے۔ اس میں "ادبیات و فنون لطیفہ" کے عنوان کے تحت جو منظومات ہیں ان میں "سرود حرام" کے عنوان سے یہ نظم ملتی ہے :-

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
نہ میرا فکر ہے، پیمانۂ ثواب و عذاب
خدا کرے کہ اسے اتفاق ہو مجھ سے
فقیہہ شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ و رباب [1]

"سرود حلال" کے عنوان سے یہ نظم ملتی ہے :-

کھل تو جاتا ہے مغنی کے بم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود
ہے ابھی سینۂ افلاک میں پنہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود

---

[1] محمد اقبال، ضرب کلیم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۴ء، صفحہ ۱۲۵

Marfat.com

جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقام محمود
مہ وانجم کا یہ حیرت کدہ باقی نہ رہے
تو رہے اور ترا زمزمہ لاموجود
جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہان خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود [1]

ایک اور نظم کا عنوان ہے "موسیقی"۔ اس میں فرماتے ہیں :-

وہ نغمہ سردیٔ خون غزل سرا کی دلیل
کہ جس کو سن کے ترا چہرہ تابناک نہیں
نوا کو کرتا ہے موج نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز جس کا ضمیر پاک نہیں
پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں گریبان لالہ چاک نہیں [2]

اور رقص کے عنوان سے یہ نظم ملتی ہے :-

چھوڑ یورپ کے لئے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم اللہی،
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن
صلہ اس رقص کا ہے درویشی و شہنشاہی

مندرجہ بالا منظومات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک اگر نغمہ بجائے تحریک عمل کے بے عمل بنا دے تو وہ حرام ہے۔ ہندوستانی خانقاہوں میں سماع اور موسیقی نے خانقاہ نشینوں کی زندگی کو بے عمل بنا کر رکھ دیا تھا اس کا اقبال کو بڑا

---

[1] - ایضاً ، ص ۱۲۴

[2] - ایضاً ، ص ۱۳۲

Marfat.com

دکھ تھا اور اس کے خلاف انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اقبال جسمانی رقص کے قائل نہیں بلکہ رُوح کو رقص کرتا ہُوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس میں ان کو شاہی نظر آتی ہے۔ وہ اس سرود کے قائل ہیں جس کی گرمی سے ستارے پگھل جائیں۔ جو دنیا سے بے نیاز بنا کر اللہ اور صرف اللہ کا نیازمند بنا دے لیکن یہ سرود ہے کہاں ؟

منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک یہ سرود[۱]

اقبال نے "ادبیات و فنونِ لطیفہ" کے عنوان سے جو منظومات لکھی ہیں ان میں ایک نظم کا عنوان ہے "مردِ بزرگ"۔ اس نظم میں ایسے انسان کی شبیہہ ملتی ہے جو شریعت و طریقت کے امتزاج کا نمونہ کامل ہے۔ اقبال یوں نغمہ سرا ہے:-

اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق
مثل خورشید سحر فکر کی تابانی ہے،
بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق[۲]

---

[۱] ؎
[۲] ؎ ۔ ایضاً، ص ۱۲۹

Marfat.com

(۶)

حضرت مجددؒ اور اقبال کے فکری مماثلات

حضرت مجدد اور اقبال کے مطالعہ کے دوران ان دونوں حضرات کے درمیان جو فکری مماثلات محسوس کئے ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے :-

۱۔ تصوف میں دونوں کے فکری اور روحانی ارتقا کا آغاز وحدۃ الوجود سے ہُوا اور انتہا وحدۃ الشہود پر ہوئی۔

۲۔ حضرت مجدد نے جو تصور "عبدیت" پیش کیا تھا اقبال نے اس پر اپنے تصور "خودی" کی بنیاد رکھی۔

۳۔ دونوں "اثبات ذات" کے قائل ہیں "نفی ذات" کو تباہ کن سمجھتے ہیں۔ "بقا بعد الفناء" کے قائل ہیں۔

۴۔ دونوں فراق طلب ہیں "گسستن" کو "پیوستن" سے بہتر تصور کرتے ہیں۔ "سیر الوصال" نہیں بلکہ "سیر الفراق" ہیں۔

۵۔ دونوں نے "عجمیت" کے خلاف بغاوت کی اور حجازیت کو زندہ کیا۔

۶۔ دونوں فلسفے کو نہیں بلکہ علوم کشفیہ کو فوقیت دیتے ہیں۔

۷۔ دونوں نے وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات کے مسموم اثرات کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ بلکہ اقبال نے تو حضرت مجدد سے زیادہ سختی اختیار کی جو غالباً روحانی تجربے کے فقدان کی وجہ سے ہو۔

۸۔ دونوں نے تصوف کو "اخلاص عمل" سے تعبیر کیا اور اس کا "سکونی" نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ "حرکی" نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا۔

۹۔ دونوں شریعت و طریقت کو ایک دوسرے کا عین سمجھتے ہیں۔

۱۰۔ دونوں رقص و موسیقی کے مخالف ہیں کیونکہ وہ جذباتیت کو عبادت میں

Marfat.com

محسوس نہیں سمجھتے۔

۱۱۔ دونوں دو قومی نظریہ کے حامی ہیں یعنی ملت اسلامیہ اور ملت باطلہ۔

۱۲۔ دونوں وطن کو حفاظت مذہب کا ذریعہ سمجھتے ہیں نہ کہ مذہب کو حفاظت وطن کا ـــــ دین کی حفاظت کو وطن کی حفاظت پر مقدم سمجھتے ہیں۔

۱۳۔ دونوں نے اپنے زمانے کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف قولی اور فکری جہاد کیا ہے جو افضل جہاد ہے۔

۱۴۔ دونوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جس جرأت و بیباکی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۱۵۔ دونوں نے اوامر و نواہیٔ شرعیہ پر زور دیا ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کو اعمال کی کسوٹی قرار دیا ہے۔

۱۶۔ دونوں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نوع انسانی کے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

۱۷۔ دونوں عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانِ ایمان اور جانِ عبادت سمجھتے ہیں۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۳۸۴ھ
۱۹۶۴ء

Marfat.com

(۷)

ماخذ و مراجع

(ا)

کُتب

(اردو ـــ فارسی ـــ عربی)

احمد سرہندی شیخ: مکتوبات شریف، جلد اول، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

ـــــ مکتوبات شریف، جلد دوم، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

ـــــ مکتوبات شریف، جلد سوم، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

احمد میاں جوناگڑھی قاضی:

ـــــ اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۵ء

افلاکی ـــــ مناقب العارفین

اقبال، ڈاکٹر محمد: ضربِ کلیم، مطبوعہ لاہور۔

ـــــ بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء

ـــــ مثنوی، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء

ـــــ جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء

ـــــ تشکیل جدید الٰہیات (ترجمہ سید نذیر نیازی) مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء

بدر الدین سرہندی، خواجہ ـــ حضرات القدس (اردو) مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء

بدیع الزماں ـــ شرح حال مولانا ـــ مطبوعہ ایران، ۱۹۳۲ء

برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر ـ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا تصور توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴ء

بزمِ اقبال، منشورات اقبال، مطبوعہ لاہور۔

Marfat.com

جلال الدین رومی، مولانا ...... فیہ ما فیہ، مطبوعہ طہران، ۱۹۲۸ء

______ .... مقالات شمس تبریز،

دارا شکوہ، شہزادہ .... سفینۃ الاولیا (اردو)، مطبوعہ لاہور،

صدیق حسن خاں، نواب ..... ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

طاہر فاروقی، پروفیسر محمد ..... سیرت اقبال، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۹ء

عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ .... فکر اقبال، مطبوعہ لاہور،

عبدالقادر بدایونی، ملا .... منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۹ء

عبدالمجید سالک، مولانا ..... ذکر اقبال، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۰ء

عطاء اللہ، شیخ .... اقبال نامہ، جلد اول، مطبوعہ لاہور،

______ .... اقبال نامہ، جلد دوم، مطبوعہ لاہور،

غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا ..... مآثر الکرام، جلد اول، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء

______ .... سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء

غلام مصطفےٰ خاں، پروفیسر ڈاکٹر ... ادبی جائزے، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۹ء

فقیر محمد جہلمی، مولانا ..... حدائق الحنفیہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء

محمد اکرام، ڈاکٹر شیخ .... رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء

محمد معصوم خواجہ .... مکتوبات معصومی (خلاصہ اردو)، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۶۰ء

محمد نذیر عرشی، مولانا .... مفتاح العلوم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۴ھ

محمد ہاشم کشمی، خواجہ ..... زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء

محمد ہدایت اللہ نقشبندی، مولانا ... ذیلِ ثانی، جلد اول، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۲۹ء

محمود نظامی .... ملفوظات، مطبوعہ لاہور،

نذیر نیازی، سید ..... مکتوبات اقبال، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء

نورالدین، ڈاکٹر ابوسعید ..... وحدۃ الوجود اور فلسفۂ خودی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء

ولید، سلطان ..... ابتداء نامہ

Marfat.com

یوسف سلیم چشتی، پروفیسر... شرح بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور
" " " " " انوارِ مجددیہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء

(ب)

کُتب و رسائل (انگریزی)

C. HUART : LES SAINTS DES DERVICHES, PARIS, 1918-1922.

H. RITTER : DER ISLAM, 1940, 1942.

R.A. NICHOLSON : THE SECRECTS OF THE SELF, LAHORE, 1944.

S.M. IQBAL : THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA, LAHORE.

T. D. BARY : SOURCES OF INDIAN TRADITIONS, NEW YORK.

T. W. ARNOLD : THE PREACHING OF ISLAM, LAHORE, 1956.

(ج)

اخبارات و رسائل

سہ ماہی اُردو ادب، علی گڑھ، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۶۲ء
سہ ماہی اقبال، لاہور، شمارہ اپریل، ۱۹۵۲ء

Marfat.com

سہ ماہی اقبال ریویو (کراچی) ، شمارہ جولائی ، ۱۹۶۲ء
روزنامہ وکیل (امرتسر) شمارہ ۹ ، فروری ، ۱۹۱۶ء

(د)

مکاتیب

مکتوب پروفیسر یوسف سلیم چشتی بنام راقم الحروف محررہ ۲۶ ، اپریل ۱۹۶۳ء از لاہور
مکتوب ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم بنام راقم الحروف محررہ ۲۹ ، ستمبر ۱۹۶۲ء از لاہور
مکتوب ڈاکٹر جاوید اقبال بنام راقم الحروف محررہ ۳۱ ، اکتوبر ۱۹۶۲ء از نیویارک
مکتوب مولانا غلام رسول مہر بنام راقم الحروف محررہ ۳ ، اپریل ۱۹۶۳ء از لاہور
مکتوب آنجہانی ڈاکٹر اے ۔ جے آربری محررہ ۲ ، مئی ۱۹۶۳ء از کیمبرج
مکتوب ڈاکٹر عبادت بریلوی محررہ ۸ ، مئی ۱۹۶۳ء از لندن

Marfat.com

تحریرِ بے مثال

۱۴۰۱ھ

رہبرِ عالی پروفیسر محمد مسعود احمد

۱۹۸۰ء

اصحابِ شعور مجدد الف ثانی اور علامہ محمد اقبال

۱۹۸۰ء

مجدد الفِ ثانی یکتائے دوراں　　اور اقبال جو ایک شاعر تھے ذی شاں
مجدد بہارِ گلستانِ ایماں　　تو اقبال ہیں عندلیبِ غزلخواں
مجدد ہیں آئینۂ نورِ حکمت　　تو اقبال ملت کی شمعِ فروزاں
مجدد ہیں قرآن و سنت کے داعی　　تو اقبال ہیں ناشرِ علم و عرفاں
مجدد ہیں وہ، تو مفکر ہیں یہ بھی　　وہ خورشیدِ تاباں یہ ماہِ درخشاں

یہ دونوں ہی محبوبِ خیر البشر ہیں
۱۴۰۱ھ
قمرؔ! فی البدیہہ کہہ دو تذکارِ خوباں
۱۹۸۰ء

نذرِ احقر الناس
۱۴۰۱ھ

قمر یزدانی ہنوانہ
ضلع سیالکوٹ

Marfat.com

عُمدہ کتابیں

طریق النجات
اسلامی عقائد، عبادات اور اخلاق پر مختصر اور جامع کتاب ہے۔ اس عظیم کتاب کا مطالعہ کر کے عمل کیجئے تاکہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔ قیمت صرف -/۱۲ روپے

تحفہ حنفیہ
امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب فقہ اکبر اصل عربی معہ ترجمہ، تذکرہ امام اعظم، تدوین فقہ حنفیہ مسئلہ تقلید اور فضائل علم و علماء جیسے اہم موضوعات پر عمدہ کتاب ہے۔
قیمت: -/۱۲ روپے

مولود محمود
حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میلاد شریف پر ایک یادگار کتاب ہے۔ پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ فرمایئے
قیمت: ۵/۲۵ روپے

نور و نکہت
مشہور شاعر اور مداحِ رسولؐ جناب فیاض احمد خان کاوش صاحب کا نورانی کلام حمد، نعت، سلام، منقبت اور قطعات کا مہکتا ہوا گلدستہ۔ قیمت: ۷/۵۰ روپے

پنج گنج قادری
حضرت غوث پاک قدس سرہٗ کے رُوح پرور کلام سے پانچ جواہر پارے مع ترجمہ جو صدیوں سے بزرگان دین کا وظیفہ ہیں ۔۔۔ ۱۔ اورادِ قادریہ ۲۔ درود شریف کبریت احمر ۳۔ قصیدہ غوثیہ ۴۔ قصیدہ قطبیہ اور ۵ چہل کاف۔ قیمت ۲/۲۵ روپے

اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوباتِ امام ربانیؒ

حضرت مجدّدِ الف ثانی
الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر اوّل (۱۔۴۰) حصہ اوّل

مع

تراجم:۔ مکتوبات شریف ☆ حواشی ☆ عبارات بین السطور

و

تخریجِ احادیث

آستانہ عالیہ حبیبیہ گجرات (شریف) پاکستان